شاعری
پاکستانی ادب 2011
مرتبین:
آصف ثاقب، احمد حسین مجاہد

شاعری

پاکستانی ادب 2011

شاعری

پاکستانی ادب 2011

مرتبین: آصف ثاقب
احمد حسین مجاہد

اکادمی ادبیات پاکستان
سیکٹر H-8/1، پطرس بخاری روڈ،
اسلام آباد

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق اکادمی ادبیات پاکستان محفوظ ہیں۔

اس کتاب کے متن کا کوئی بھی حصہ نقل یا استعمال نہیں کیا جاسکتا، سوائے حوالے کے۔
خلاف ورزی پر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا استحقاق رکھتا ہے۔

نگران	ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو
منتظم	ڈاکٹر راشد حمید
تدوین	اختر رضا سلیمی
طباعت	علی یاسر
اشاعت	2016
تعداد	500 :
ناشر	اکادمی ادبیات پاکستان H-8/1، اسلام آباد
مطبع	: NUST پریس، اسلام آباد
قیمت	: -/300 روپے

ISBN: 978-969-472-299-3

Pakistani Adab (Pakistani Literature) 2011
Shairy (Poetry)

Compiled By
Asif Saqib/Ahmed Hussain Mujhid

Publisher
Pakistan Academy of Letters
Islamabad,Pakistan

فہرست

حمد

نعت

غزل

نظم

تراجم

☆☆☆☆

حرفِ آغاز

انتخاب پاکستانی ادب اکادمی ادبیات کا ایک ایسا منصوبہ ہے جس کے تحت ہر سال دو کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں؛ انتخاب پاکستانی ادب : حصہ شعر اور انتخاب پاکستانی ادب : حصہ نثر۔ ہر دو انتخاب میں متعلقہ سال میں مختلف پاکستانی اخبارات اور رسائل و جرائد میں شائع ہونے والی ادبی تحریروں کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ یوں یہ انتخاب؛ سال بھر میں رسائل و جرائد میں چھپنے والے پاکستانی ادب کا اشاریہ ہوتا ہے اور اس کی نوعیت تخلیقی کے ساتھ ساتھ تحقیقی و تاریخی بھی ہوتی ہے، جس سے پاکستانی ادب پر اردو میں تنقید و تحقیق کرنے والے استفادہ کر سکتے ہیں لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو ایک سطح پر اس کی حیثیت سماجیاتی اور معاشرتی بھی ہوتی ہے۔ کیوں کہ ادب کسی بھی معاشرے اور کسی بھی سماج کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

اس اہم نوعیت کے منصوبے کا آغاز ۱۹۹۱ء میں ہوا تھا اور ۲۰۰۷ء تک بلا کسی تعطل کے شائع ہوتا رہا تھا لیکن ۲۰۰۸ء کے بعد یہ سلسلہ بعض وجوہات کی بنا پر تعطل کا شکار ہو گیا تھا جسے ہم نے کچھ عرصہ پہلے دوبارہ شروع کیا ہے جہاں سے یہ ٹوٹا تھا ۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۰ء کی چار کتب شائع ہو چکیں ہیں جنھیں علمی و ادبی حلقوں میں بے حد سراہا گیا۔

انتخاب پاکستانی ادب ۲۰۱۱ء شاعری کا یہ انتخاب اکادمی کی درخواست پر ممتاز شعرا آصف ثاقب اور احمد حسین مجاہد نے مرتب کیا ہے۔ دونوں صاحبان شاعری کے علاوہ نثر اور خصوصاً عروض پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ بہت جلد اس سلسلے کے باقی انتخاب بھی آپ کے ہاتھوں میں ہوں گے۔

اس سے قبل شہزاد احمد، آفتاب اقبال شمیم، قمر جمیل، جاوید شاہین، پروفیسر سہیل احمد خان،

انیس ناگی، ناصر زیدی، محمد اظہار الحق، یوسف حسن ،سحر انصاری ، شاہدہ حسن ، ڈاکٹر توصیف تبسم ، ڈاکٹر احسان اکبر، عباس تابش، ڈاکٹر ابرار احمد، قمر رضا شہزاد، شاکر حسین شاکر، نورین طلعت عروبہ، افتخار یوسف اور ادریس بابر کے مرتب کردہ انتخاب شائع ہو کر قبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ حسب سابق ہماری یہ کاوش بھی آپ کو پسند آئے گی۔

اس کتاب کی تزئین و آرائش اور تدوین و طباعت کے لیے ہمارے رفیق کار اختر رضا سلیمی نے جو محنت کی ہے اس کے لیے وہ ہمارے شکریے کے بجا طور پر مستحق ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو

پیش لفظ

اکادمی ادبیات پاکستان کی انواع واقسام کی علمی، ادبی خدمات میں اردو اور دوسری پاکستانی زبانوں کی شاعری کے ہر سال کے انتخاب کی اشاعت بھی شامل ہے۔ کبھی کبھی نامساعد حالات سے ناغہ ہو جائے تو ہو جائے یہ سلسلہ ٹوٹتا نہیں۔ چناں چہ اب کے سال 2011ء کی شاعری کا انتخاب مقدور بھر ہوا ہے جو اہلِ ذوق ونظر کے گراں قدر مطالعے کے لیے پیش کیا جاتا ہے، دنیا بھر کے سخن وروں نے ہست و نیست کے جملہ کیف وکم کے اعتقادات اور اعتبارات کو اپنے اپنے قرینے سے زیب وزینتِ قرطاس کیا ہے، جن کی تاثیریں، لطافتیں اور شیرینیاں فہم وادراک کو باغ و بہار کیے دیتی ہیں۔ بدیں جہت اردو شاعری بھی اپنے ہم نوا شعر ونغمہ کے قدم درقدم کیفیات کی صورتی، صوتی اور غنائی خوبیوں سے دیدہ ورو پسندیدہ ہے، شاعری ایسی کہ گلستانِ شعریت میں ''ہراک بات'' ہر اک شعر سروِ خراماں ہے اور اسے دل ربائی کی صاحبقرانی حاصل ہے۔ پھر لب جاناں کے معجزے وہ شفق سرمایہ کہ رمزوایما، قادرالکلامی، شگفتگی، اسلوب اور واقعہ گوئی سے بھرپور دُکھ بعنوانِ خوب سخن انداز ہوئے جاتے ہیں۔

انتخاب کی کارفرمائی بہ مراحلِ احسن کچھ سہل نہ تھی۔ اس میں ہر شاعر کی عزت، احترام، مرتبے کی پاس داری کی گئی ہے۔ عدم دستیابی کی وجہ سے کمی بیشی موردِ الزام نہیں ٹھہرنی چاہیے۔ صنفیات کے باب میں کوئی حتمی رائے یا فیصلہ ممکن نہیں۔ غزلوں اور نظموں میں اظہاری تفریق باعثِ تشویش نہ ہو۔ نظم کی مربوط تفصیل اور غزل کے منتشر اختصار نے ہماری شاعری کو وسعتیں بھی دی ہیں اور گہرائیاں بھی۔ شعر گفتنی میں نصابی تبدیلیوں کے بارصف نئی شاعری کو روایات کی جلیل وجمیل قدروں سے ہرگز مفر نہیں۔ دریں باب نظمیت اور غزلیت کے ہمہ گیر روایتی استحسان کا مشاہدہ یوں ہوسکتا ہے۔ بنگال

کے آخری حکمراں سراج الدولہ کی شہادت پر شہید کے مصاحب راجا رام نرائن موزوں کا کہا ہوا یہ شعر۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانا مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

فراقیہ شدتِ غم کی نظمیہ اور غزلیہ دونوں افتادوں تاثیروں میں مابہ الامتیاز ہے۔ یہ ایسا درد، ایسا تاثر ہے کہ ہر سخن فہم اس کی شعریت پر فدا ہو۔ آنکھوں پر پلکوں کا بوجھ نہیں ہوتا۔ مطالعۂ شعر کی جاگتی جوت اس کا جام پیے ہوئے ہر دل دادہ کو کرشمہ کرشمہ ہاتھوں ہاتھ لیتی ہے۔ سخن فہمی ودیعتِ خداوندی ہے۔ قریۂ شعر میں سوادِ خاک چھاننے والا سونا پاتا ہے۔ قربِ ذات کی انتہاؤں کی بخشی ہوئی شاعری ہر آیتِ تحصیلِ مزاج کی ضرورتیں پوری کرتی ہے۔ بعد اشتیاق تسلیم کہ نئی شاعری زندگی کے ہر اختصاص میں گوناگوں امیجری کی محبوبیت بروئے کار دلاوی ہے۔ کہنے والوں، سننے والوں کا کہا سُنا اپنی تحریک سے ہوتا ہے۔ طبعیت میں جو آمد آتی ہے، وہی کارآمد نکلتی ہے۔ دیکھے سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہیات کی نقش نمائی کی جدتیں نئی شاعری کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔ یہ اوڑھنا بچھونا نقش و نگار والا ہے۔

ہم نے انتخاب میں انہماک اور تعلقِ خاطر سے کام لیا ہے۔ اخلاص مندی کے انکسار کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اس ضمن میں کسی استغنا کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ انتخاب ۲۰۱۱ء کی شاعری سے تجویز ہوا ہے۔ اسے اسی پیرائے میں دیکھا جائے۔

آصف ثاقب / احمد حسین مجاہد

اشرف جاوید

ربِ جمال و نور! کہیں روشنی تو کر
ہر جا ترا ظہور، کہیں روشنی تو کر
اک بے بصر نظر ہے، وہ بھٹکے کہاں کہاں!
نزدیک ہو کہ دور، کہیں روشنی تو کر
مہر و مہ و نجوم تو ہم نے بجھا دیے
ٹوٹے یہی غرور، کہیں روشنی تو کر
سنتے ہیں تُو قرینِ ورید حیات ہے
ہوگا مگر ضرور کہیں، روشنی تو کر
جب بال و پر دیے ہیں تو رنگِ سخن بھی دے
اے صاحبِ طیور! کہیں روشنی تو کر
اک ہاتھ دوسرے کو سجھائی نہ دے اگر
پھر کیا کہیں حضور! کہیں روشنی تو کر
کیا دور تھا کہ دل ترے مسکن بنے رہے
اب آئنے ہیں چُور، کہیں روشنی تو کر
بے کار ہے عصا، یدِ بیضا نہیں رہا
ظلمت ہے پُر فتور کہیں روشنی تو کر
عکسِ جمالِ یار سے آنکھیں چمک اُٹھیں
اے مالکِ نشور! کہیں روشنی تو کر

(فنون)

نصرت زیدی

وہ رحمتِ کونین مُدثّر بہ لقب ہے
اُس کے لیے تفریقِ عجم ہے نہ عرب ہے

آئینۂ حیراں کی طرح وقت کی رفتار
اے صاحب معراج خِرد مُہر بہ لب ہے

مشرق ہو کہ مغرب وہ ترا خطبۂ آخر
ہر دور کے انسان کو منشورِ ادب ہے

سنتا ہوں کہ لفظوں کے بھی ہوتے ہیں قبیلے
کہتے ہیں کہ حرفوں کا بھی اک نام و نسب ہے

حسنینِ کریمین ہیں یکتائے دو عالم
اُن جیسا کسی کا نہ حسب ہے نہ نسب ہے

اے شافعِ محشر اُسے برزخ سے بچانا
شاعر ترا نصرتؔ بہت آرام طلب ہے

(الحمرا)

آسناتھ کنول

فلک سے میں زمیں تک آ گئی ہوں
بنی سجدہ جبیں تک آ گئی ہوں

مِلے جو پَر تو اڑنے کی لگن میں
کسی خُلدِ بریں تک آ گئی ہوں

بنامِ اشک جب لکھی گئی میں
کسی چشمِ حسیں تک آ گئی ہوں

وہ قربت اوڑھ کر چھپنے لگا ہے
میں خوشبو ہوں قریں تک آ گئی ہوں

پرو کر خاک کے زندہ قفس میں
جہاں لایا وہیں تک آ گئی ہوں

تری یادوں کے جنگل سے نکل کر
یوں اک نقشِ حزیں تک آ گئی ہوں

بدن کا بوجھ لے کر چلتے چلتے
میں خاکِ مرمریں تک آ گئی ہوں

(عطا)

احمد صغیر صدیقی

کوئی عنوان فسانے کا نہیں تھا
خواب تخلیق سنانے کا نہیں تھا

زندگی بھر بڑے مصروف رہے ہم
ایک لمحہ بھی گنوانے کا نہیں تھا

سانپ ہی سانپ تھے ہر سمت یہاں پر
کوئی امکان خزانے کا نہیں تھا

اور لگن بھی تھی کہ تسلیم کیا جائے
اور میں اپنے زمانے کا نہیں تھا

ساعتِ وصل کہ آنے کی نہیں تھی
اور میں بھی کہیں جانے کا نہیں تھا

سرزمیں اور ہی ٹھہری تھی نظر میں
مسئلہ صرف ٹھکانے کا نہیں تھا

(الحمرا)

احمد عطااللہ

شہر سے ہم چل پڑے پہچان کرنے کے لیے
گاؤں میں اک شکل تھی حیران کرنے کے لیے

مل گئی تنخواہ تو اب دور تک کوئی غریب
ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں احسان کرنے کے لیے

ہجر جیسا با وفا، یہ تلخ تر راتوں کا دوست
میں چلا تھا وصل پر قربان کرنے کے لیے

اُس نے پھر پھینکی ہیں مجھ پر کچھ ہنسی کی تیلیاں
آگ کا یہ کھیل ہے نقصان کرنے کے لیے

ایک سازش ہو رہی ہے اُس کے آنگن میں عطا
ہنستے بستے گاؤں کو ویران کرنے کے لیے

(تجدیدِ نو)

احمد کامران

دروود بارِ دِگر پھونکتا پھروں گا میں
ہُوا جو عشق، تو گھر پھونکتا پھروں گا میں

نہیں میاں! میں نہیں دید کا تمنائی
کہاں جلے ہوئے پَر پھونکتا پھروں گا میں

یہ آہِ سرد، جلالی نظر سے بہتر ہے
وگرنہ یار! شجر پھونکتا پھروں گا میں

خلا کے آر یا پار، اک طرف کا دکھ ورنہ
چراغِ شمس و قمر پھونکتا پھروں گا میں

سنبھال، اپنی سماعت کے سردخانے میں
کہاں یہ گرم خبر، پھونکتا پھروں گا میں

(حرف)

احمد خیال

مرے دل کے قریں سے روشنی آنے لگی ہے
اندھیرے میں کہیں سے روشنی آنے لگی ہے

سرِ محفل کسی کی انگلیاں چھوئیں اچانک
اچانک ہی جبیں سے روشنی آنے لگی ہے

یہ کس ہستی کو لوگوں نے اتارا ہے لحد میں
کہ فوراً ہی زمیں سے روشنی آنے لگی ہے

یہ خنجر تو نہیں ہوگا کسی صورت مری جاں
تمہاری آستیں سے روشنی آنے لگی ہے

گزشتہ رات جانے کون ٹھہرا تھا یہاں پر
مکاں اور مکیں سے روشنی آنے لگی ہے

(سمبل)

اخترعثمان

تم جو کہتے ہو وہ کہنا نہیں آتا مجھ کو
ہُنرِ حرف برہنہ نہیں آتا مجھ کو

جُوں بگولا میں سَرِ دشت اُڑا پھرتا ہوں
قیس رہتا ہے، رہنا نہیں آتا مجھ کو

میں یوں پایاب کہ آہستہ روی خُو ہے مری
موجِ یک طَور میں بہنا نہیں آتا مجھ کو

کیا جو لکھتا ہوں سب اوروں کی تمنائیں ہیں
کیا جو کہتا ہوں وہ سہنا نہیں آتا مجھ کو

تو یہ کہتا تھا کہ اظہار ضروری بھی نہیں
ایک بار اور بھی کہہ نا ''نہیں آتا مجھ کو''

تمہیں زیبا ہے، مبارک ہو یہ پوشاکِ شمی
تم نے جیسے اِسے پہنا، نہیں آتا مجھ کو

پھر کہیں ڈوب گیا ماہِ دو ہفتہ اختر
میں چمکتا ہوں کہ گہنا نہیں آتا مجھ کو

(عطا)

ادریس بابر

وہ لوگ جا بھی چکے ہیں، مجھے بتایا گیا
مِرے عزیز، سرائے میں کون آیا گیا!

ستارے ٹوٹتے دیکھوں تو جی بہل جائے
کہ بس مجھے ہی نہیں رایگاں بنایا گیا

سب اپنی راہ چلو، دوسروں سے مت الجھو
وہ ایک خواب تمھیں ہی نہیں دکھایا گیا

خلا نورد تو خوش ہوگا ہی کہ اُس کے حضور
تمام عرصۂ آدم جو ہے گنوایا گیا

عجیب ہجر تھا جس میں وصال کرتے ہوئے
مِرا وجود گیا، اور اُس کا سایا گیا

(بیاض)

اسلم کولسری

سپنوں کے شرمیلے سائے، رات کا نیلا شور، من ساگر کی اور
دُور کھڑا مہکے، مُسکائے، البیلا چت چور، من ساگر کی اور

رنگ برنگ امنگ پتنگ کی بادل سنگ اڑان، سورج کی مسکان
کرنوں کی رم جھم سے کھیلے، مست نظر کی ڈور، من ساگر کی اور

خوں ریزوں پر کندہ کر کے، تیرا اُجلا نام، جھومیں خواب تمام
اسی لیے شب بھر رہتی ہے بھیگی بھیگی بھور، من ساگر کی اور

کس لمحے کی اوٹ سے پھوٹی، رُت انگاروں کی، فصل شراروں کی
ابھی ابھی تو رقص میں تھے ہر سمت سنہرے مور، من ساگر کی اور

سارا دن جلتا رہتا ہے خوں شریانوں میں، حسرت خانوں میں
رات ڈھلے پر میٹھا میٹھا درد لگائے زور، من ساگر کی اور

جب تک اشکوں سے پورا ماحول نہیں دُھلتا، ذرا نہیں کھُلتا
پچھلی رات کا چندا ہے یا سے کی زخمی پور، من ساگر کی اور

لہروں لہروں، ڈوبے اُبھرے، ایک صدا گُم سم، جان کہاں ہو تم؟
دھیرے دھیرے بن جاتی ہے جلتی بجھتی گور، من ساگر کی اور

اُن آنکھوں کا حال نہ پوچھو یارو اسلم سے، ہے جن کے دم سے
ہری ہری شمعوں کی جِھلمِل، ساتھ گھٹا گھنگھور، من ساگر کی اور

(بیاض)

اعجاز کنور راجہ

شجر نشیں ہیں ابھی آشیاں بسائے ہوئے
فلک کو دیر ہوئی بجلیاں گرائے ہوئے

نہ دیکھ اُن کی طرف، خواہشِ در و دیوار
وہ کج نہاد مکاں ہیں سجے سجائے ہوئے

ہمی نے ابرِ کرم کی دعائیں مانگی تھیں
ہمی ہیں ابرِ مسلسل کی چوٹ کھائے ہوئے

ہمارے پاس نہیں حاصلِ متاعِ ہنر
صدف کے پاس کہاں ہیں گہر بنائے ہوئے

اے اِمتدادِ زمانہ بس اتنا فرق پڑا
فریب دینے لگے ہیں فریب کھائے ہوئے

جہاں پہ دشت ہیں آبادیاں یہاں تھیں کبھی
بتا رہے ہیں یہ رستے بنے بنائے ہوئے

تلاش کرتے ہوئے آ گئی ہے وحشتِ شب
مکان اپنے مکینوں سے جگمگائے ہوئے

چلے گئے ہیں اندھیروں میں چھوڑ کر جو ہمیں
تھے سطحِ آبِ رواں پر دیے جلائے ہوئے

سفر میں رہ نمائی کو کچھ نہیں ہے کنور
اگر نقوشِ قدم ہیں تو ڈگمگائے ہوئے

(بیاض)

افتخار عارف

خواب کی طرح بکھر جانے کو جی چاہتا ہے
ایسی تنہائی کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے

گھر کی وحشت سے لرزتا ہوں مگر جانے کیوں
شام ہوتی ہے تو گھر جانے کو جی چاہتا ہے

ڈوب جاؤں تو کوئی موج نشاں تک نہ بتائے
ایسی ندی میں اتر جانے کو جی چاہتا ہے

کبھی مل جائے تو رستے کی تھکن جاگ پڑے
ایسی منزل سے گزر جانے کو جی چاہتا ہے

وہی پیماں جو کبھی جی کو خوش آیا تھا بہت
اُسی پیماں سے مکر جانے کو جی چاہتا ہے

(جدید ادب)

افتخار مغل

وفائیں! نیک تمنائیں! احترام! دُعا!
مری طرف سے زمانے؟ تجھے سلام! دُعا!

میں رفتنی ہوں! مجھے مل گیا ہے اذنِ سفر!
یہاں پہ اب کے نہیں تیرا کوئی کام، دُعا!

ہر اک کے نام دمِ واپسیں! خراجِ خلوص
ہر اک کے حق میں سرِ ساعتِ خرام، دُعا!

مجھے غروب سے پہلے کہیں پہنچنا ہے!
مرے عزیزو! بس اب ڈھل رہی ہے شام، دُعا!

مرے خدا نے مجھے سرخ رُو کیا ہے، سو، اَب
سبھی کو عام معافی، سبھی کو عام دُعا!

میں اُن بہادروں کی آل سے ہوں میرے عُدو
کہ عفو، جن کی سزا! جن کا انتقام، دُعا!

(بیاض)

افضل گوہر

شکست کھا کے بھی کب حوصلے ہیں کم میرے
مرے کٹے ہوئے ہاتھوں میں ہیں علَم میرے

پناہ گاہ مجھے بھی تو ثور جیسی دی
مری تلاش میں دشمن ہیں تازہ دم میرے

تجھے میں کیسے بتاؤں کہاں سے کیسا ہوں
الجھ رہے ہیں بدستور پیچ و خم میرے

کس آسمان کی وسعت تلاش کرتے ہوئے
زمیں سے دور نکل آئے ہیں قدم میرے

تُو یہ سوال بھی اب دجلہ و فرات سے پوچھ
میں کیا بتاؤں کہاں لُٹ گئے حرم میرے

جمی رہی ہے چٹانوں پہ برف صدیوں تک
تو جا کے تب کہیں پتھر ہوئے ہیں نم میرے

(الحمرا)

اکبر حمیدی

دوستو اب نیا زمانہ ہے
آپ کا آئنہ پرانا ہے

آدمی سے جو آدمی تک ہو
ہم کو وہ راستہ بنانا ہے

کہکشائیں تو سج رہی ہیں بہت
اب تری مانگ کو سجانا ہے

دکھ کی راتیں اجالتا ہے جو
میرا دل وہ چراغ خانہ ہے

یونہی بہلا رہا ہوں دل ورنہ
ان کو آنا نہ مجھ کو جانا ہے

جتنا ڈھونڈو گے اتنا پاؤ گے
میرے لفظوں میں وہ خزانہ ہے

ایسا رشتہ ہے دنیا و دل میں
جیسے تانا ہے اور بانا ہے

(ادب دوست)

امان اللہ امان

عشق و آزار کی تفہیم خدا وندِ کریم
ایسے جذبات کی تعلیم خدا وندِ کریم
میں کسی طور زیاں کار نہیں ہو سکتا
میری بنیاد میں تعظیم خدا وندِ کریم
کائنات اصل میں کیسی ہے، کسے کیا معلوم
وجد و وجدان کی تعیم خدا وندِ کریم
باعثِ کرب ہیں ان تلخ سوالوں کے جواب
کیسی آلام کی اقلیم خدا وندِ کریم
بے نیازانہ روش مجھ کو عنایت کر دے
کوئی تاخیر نہ تقدیم خدا وندِ کریم
اس جہانِ غم و اندوہ سے ہے بیزار ہوں میں
میں تجھے کرتا ہوں تسلیم خدا وندِ کریم
میرے بے ربط خیالات، مرا سوز و گداز
ان خیالات کی تنظیم خدا وندِ کریم
دفترِ خواب و تخیل کا یہ عالم ہوا ہے
تیری کرنے لگے تجسیم خدا وندِ کریم

امتیاز الحق امتیاز

نیا موسم اُڑانوں سے بھرا ہے
شجر کیوں خستہ جانوں سے بھرا ہے
ہمارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے
ہمارا دل خزانوں سے بھرا ہے
یہاں لفظوں کی چیخیں گونجتی ہیں
مرا کمرہ زبانوں سے بھرا ہے
نئے وقتوں کی گنجائش نہیں ہے
یہ گھر گذرے زمانوں سے بھرا ہے
گھروں میں پیٹیاں گندم سے خالی
مگر قصبہ کسانوں سے بھرا ہے
مکیں ہوتے تو آوازیں بھی ہوتیں
یہ گاؤں بس مکانوں سے بھرا ہے
کوئی وحشی ادھر سے کیسے گذرے
ترا جنگل مچانوں سے بھرا ہے
بھرا ہے دل جو زخموں سے ہمارا
زمانہ مہربانوں سے بھرا ہے

(حرف)

امجد اسلام امجد

تمہارے ہوتے جو دل سوگوار اتنا ہے
نجانے کس کا ہمیں انتظار اتنا ہے

تڑپ کے اشک بہائیں کہ بند کر لیں آنکھ
کوئی اگر ہے ہمیں اختیار، اتنا ہے

سمٹتے جاتے ہیں چھاؤں میں اس کی ارض و سما
محبتوں کا شجر سایہ دار اتنا ہے

جو اپنی آنکھ سے دیکھیں اُسے بھی جھٹلائیں
تری وفا کا ہمیں اعتبار، اتنا ہے

فلک پہ بکھرے ستارے میں گِن بھی سکتا ہوں
پہ کیا کروں ترا غم بے شمار، اتنا ہے

ہو جو بھی رُت نہیں جاتی فسردگی دل کی
خزاں سے رشتہ مرا استوار اتنا ہے

وہ کیا سماں تھا کہ جا کر نہیں گیا دل سے
وہ کیا نشہ تھا کہ جس کا خمار اتنا ہے

کہیں تو کس سے کہیں ماجرا جدائی کا
کسی بھی دل میں یہاں اختیار اتنا ہے

وہ جس کی گونج ہے ایسی وہ گیت کیسا تھا
وہ کیا سوار تھے جن کا غبار اتنا ہے

نظر سے اُس کی کبھی آئنہ نہیں ہٹتا
خود اپنے آپ پہ عاشق وہ یار اتنا ہے

خبر نہیں وہ کہاں ہے، کہاں ہوں میں امجد
مرے قریب وہ جانِ بہار اتنا ہے

(بیاض)

امین راحت چغتائی

ترا کرم ہے تُو چاہے جسے خدائی دے
مگر اُسے مری آواز تو سنائی دے
وہ ظلمتوں کے مقابل ٹھہر سکے گا کیا
وہ روشنی میں بھی جس کو نہ کچھ سجھائی دے
کوئی تو چپکے سے اُس کا اُٹھا لے آئنہ
وہ اپنے آپ کو جب درسِ خود نمائی دے
پلک جھپکنے میں جس کو دیا ہے قصرِ شہی
کسی گلی کی اُسے بھی ذرا گدائی دے
ملے مجھے بھی تو کچھ لذتِ فراموشی
کبھی مجھے بھی تو اک روز کی خدائی دے
میں دیکھتا بھی ہوں سب کچھ میں بولتا بھی نہیں
عذابِ خواب سے اب تو مجھے رہائی دے
کبھی تو بامِ انا سے اُتر کے دیکھ ذرا
کہ اب تو خلقِ خدا چار سو دہائی دے
وہ آئنے کے بھی اب روبرو نہیں آتا
کہ اس میں حشر کا منظر اُسے دکھائی دے
وہ چونک اُٹھتا ہے راحتؔ ذرا سی آہٹ پر
کہ چاپ قدموں کی جیسے اُسے سنائی دے

(الحمرا)

انجم جاوید

یہ تعلق بہت پرانا ہے
سو اسے عمر بھر نبھانا ہے

اک صدا ہے مرے تعاقب میں
جس نے پتھر مجھے بنانا ہے

کوئی رستہ نہ بھول پائے کہیں
سو مجھے اک دیا جلانا ہے

جو بھی کرنا ہے فیصلہ کر لے
پھر مجھے لوٹ کر بھی جانا ہے

جز محبت کے کچھ نہیں ہے یہاں
یہ قلندر کا آستانہ ہے

یہ وہی جانتا ہے انجم جی
کس کو آنا ہے کس کو جانا ہے

(عالمی رنگِ ادب)

انوارفیروز

تُو نے کچھ مجھ سے کہا ہو جیسے
دل دھڑکنے کی صدا ہو جیسے

پھول کھلتے ہیں تو ہوتا ہے گماں
یہ بھی اک تیری ادا ہو جیسے

چاند تنہائی میں یوں لگتا ہے
پھول صحرا میں کِھلا ہو جیسے

دل میں یوں آج تیری یاد آئی
صحنِ گلشن میں صبا ہو جیسے

ذہن سے یاد مٹا دی ہم نے
پھر بھی تو دل میں بسا ہو جیسے

اپنی آواز بھی یوں لگتی ہے
کوئی گنبد کی صدا ہو جیسے

اب تو انوؔار ہے ایسے تنہا
دشتِ غربت میں ہوا ہو جیسے

(ادب دوست)

انور شعور

فکر کی بات نہیں، جیب اگر خالی ہے
ہم نے کیا قرض نہ پینے کی قسم کھا لی ہے

گھر ہے جنت میں ہمارا نہ زمیں پر یعنی
عاقبت ہم نے کمائی ہے، نہ دنیا لی ہے

تیز ہے آج نشہ آپ کے باعث ورنہ
ہم جو پیتے ہیں عموماً یہ وہی والی ہے

خود بھی جاتے ہیں کہیں حضرتِ ناصح ساقی
سر سے اللہ میاں نے یہ بلا ٹالی ہے

دل ہے شاداب غمِ عشق میں رونے کے سبب
اس بیابان میں برسات کی ہریالی ہے

آج کا کام نہیں ٹالتے کل پر مے نوش
بُوند بھی ہم نے بچائی نہیں، پی ڈالی ہے

ہجر کی رات چراغاں میں بھی گزرے تو شعورؔ
ایسا لگتا ہے کہ یہ رات بہت کالی ہے

(پہچان)

ایم جاوید اقبال

قربتوں کا حصار ٹوٹ گیا
جو بُنا تھا وہ ہار ٹوٹ گیا
سبھی رشتے ہیں برقرار مگر
رشتۂ اعتبار ٹوٹ گیا
پوچھتے ہو تو کیا بتائیں تمہیں
ایک شیشہ تھا یار ٹوٹ گیا
دو دِنوں کا جہان ختم ہوا
دو دِلوں کا قرار ٹوٹ گیا
آنکھ اس کو تلاش کرتی ہے
وہ جو خوابوں کے پار ٹوٹ گیا
جس نے باندھا ہوا تھا سپنوں کو
اب ملن کا وہ تار ٹوٹ گیا
بے بسی کے مہیب سائے میں
ہالۂ اختیار ٹوٹ گیا
اب تو جاؔوید بدمزہ ہیں ہم
تھا جو پہلا خمار ٹوٹ گیا

(سحاب)

باقی احمد پوری

سرائے شب میں گھڑی دو گھڑی قیام کریں
پھر اس کے بعد نئی صبح کو سلام کریں

جو روز آ کے منڈیروں پہ بیٹھ جاتے ہیں
کبھی نہ ایسے پرندوں کو زیرِ دام کریں

وہ ساتھ چھوڑ گیا ہے تو کیا سفر کرتا
مسافرانِ محبت سفر تمام کریں

یہ سنگِ زار ہے، پتھر دلوں کی بستی ہے
یہاں کلام کریں بھی تو کیا کلام کریں

اب اس سے آگے قلم اور کچھ نہیں لکھتا
اسی جگہ پہ کہانی کا اختتام کریں

تمہاری آنکھوں سے پیتے ہیں اور جیتے ہیں
یہ زندگی ہے اسے کیسے نذرِ جام کریں

تمام عمر گزاری ہے دھوپ میں باقیؔ
کسی کی زلف کے سائے میں آج شام کریں

(نیرنگِ خیال)

بُشریٰ فرخ

ہمیں پندار لے ڈوبا
یہی ہر بار لے ڈوبا

ہوئے تھے لاکھ انکاری
ترا اصرار لے ڈوبا

سفینہ جس کو سونپا تھا
وہ کھیون ہار لے ڈوبا

جو لہروں پر بنایا گھر
وہ آخر کار لے ڈوبا

بہت دل پر بھروسہ تھا
یہ ناہنجار لے ڈوبا

بچایا لاکھ بشریٰ کو
دلِ بیمار لے ڈوبا

(بیاض)

پرویز ساحر

محل سرائے شبِ درمیاں کا دروازہ
یہ کہکشاں ہے کسی آسماں کا دروازہ

خود اپنی ذات کے حُجرے میں معتکف ہوں میں
کُھلا نہیں ہے ابھی خاکداں کا دروازہ

فقیر ہوں سو میں آباد ہوں خرابے میں
کہاں کے بام و حریم اور کہاں کا دروازہ

کلیدِ حرفِ دعا سے یہ قفل وا ہوا ہے
کہ مدتوں سے مقفل تھا جاں کا دروازہ

وہ کوئی فوجِ مسرت ہو یا کوئی لشکرِ غم
کُھلا ہے سب کے لیے دل مکاں کا دروازہ

مجھے خبر ہے کہ ساحر میں رفتگاں سے نہیں
سو کھٹکھٹاتا ہوں آئندگاں کا دروازہ

(سرخاب)

پریا تابیتا

کھو گئی یاد بھی گزرے ہوئے سالوں میں کہیں
رہ گیا نام ترا، میرے مقالوں میں کہیں
میری نظموں کے بھی عنوان کنایہ تھے کبھی
تو ہی رہتا تھا غزل اور غزالوں میں کہیں
میں نے وہ وقت بھی دیکھا ہے کہ جب ذات مری
کچھ کی حیرت میں رہی کچھ کے سوالوں میں کہیں
میری آنکھوں میں سمٹ آئے تھے سب درد مرے
الجھنیں ساری الجھ بیٹھی تھیں بالوں میں کہیں
آج معروف ہے اک شخص مثالوں کی طرح
تو جسے چھوڑ گیا چند حوالوں میں کہیں
میرے جیون کی سیاہی تیرے جاتے ہی گئی
ڈھونڈنا ہو تو مجھے ڈھونڈ اجالوں میں کہیں
اب تو یادوں کا تصور بھی مرے پاس نہیں
اب مجھے یاد کرو بھولنے والوں میں کہیں

(تجدیدِ نو)

تاج الدین تاج

یک دم بکھر گئی ہے دھنک ڈال ڈال پر
بوسہ دیا ہے پھول نے تتلی کے گال پر

آئے گا اس کے بعد محبت کا مرحلہ
نظریں ابھی جمی ہیں ترے خط وخال پر

موسم تری اڑان کا آیا نہیں ابھی
اے طائرِ خیال ابھی مت نکال پر

پوچھا جب اس نے مجھ سے بتا زندگی ہے کیا
میں لاجواب ہو گیا اس کے سوال پر

برباد میں نے کر دیا ہے اپنے آپ کو
افسوس ہو رہا ہے مجھے اپنے حال پر

اس نے تمام رنج و الم جمع کر کے تاجؔ
تقسیم کر دیے میں مرے ماہ و سال پر

(شعروسخن)

جان عالم

ہر ایک چیز سے ایسے یہ دل بھرا ہوا ہے
دھڑکتے سینے میں جیسے مرا ہوا ہے

قریب آ کے بہت دور اس سے ہو گیا تھا
ہوا ہوں دور تو کچھ کم یہ فاصلہ ہوا ہے

ترے نصیب میں شاید نہیں ہے اس کا کرم
گناہ کرنے سے پہلے ہی تو ڈرا ہوا ہے

حسینؓ ابنِ علیؓ ہیں، وگرنہ کون یہاں
اکیلا سامنے لشکر کے آ کھڑا ہوا ہے

(تجدیدِ نو)

جان کاشمیری

سب سنا کر، سنا نہیں کچھ بھی
مت گلا کر، گلا نہیں کچھ بھی

تیری تصویر راکھ پر ابھری
دل جلا کر، جلا نہیں کچھ بھی

سر پہ کتنی عجب گھڑی آئی
سر بچا کر، بچا نہیں کچھ بھی

یاد شدت سے دل جلانے لگی
غم مٹا کر، مٹا نہیں کچھ بھی

لب تکلم نہ بھول جائیں کہیں
کچھ کہا کر، کہا نہیں کچھ بھی

خوش ہوں منظر نیا نیا سا ہے
در گرا کر، گرا نہیں کچھ بھی

دل کی دنیا پہ حبس طاری ہے
کچھ روا کر، روا نہیں کچھ بھی

جانؔ میں ہوں گڑا ستوں کی جگہ
گھر بسا کر، بسا نہیں کچھ بھی

(نیرنگِ خیال)

جلیل عالی

ڈر زمینوں کا نہیں خوف زمانے کا نہیں
دل میں اک موسمِ حیرت ہے کہ جانے کا نہیں

کوئی توہینِ تعلق کی بھی حد ہوتی ہے
اب کے جیسے وہ گیا ہے کبھی آنے کا نہیں

راہ میں آن کھڑی ہیں مری اپنی سوچیں
اور میں خود بھی یہ دیوار گرانے کا نہیں

دوستو آپ کا ایثار سلامت لیکن
اب کے جو بوجھ ہے سینے کا ہے شانے کا نہیں

عمر آوارگیِ فکر کی راہوں میں کٹی
فیصلہ دل سے ہوا ایک ٹھکانے کا نہیں

غم کو اظہار کا نخچیر بنانے نکلے
اور ترکش میں کوئی تیر نشانے کا نہیں

(اجرا)

جمشید چشتی

یقیں کرے گا نہ اب فکرِ بے کراں پہ کوئی
لکیر کھینچ گیا میرے آسماں پہ کوئی

نہ اوس بن کے میں نازل ہوا کسی گُل پر
نہ برق بن کے گرا میرے آشیاں پہ کوئی

نہ ظلم سہ کے کسی نے کچھ احتجاج کیا
نہ مہربان ہوا اپنے مہرباں پہ کوئی

طلوعِ صبح بھی خوابوں میں ڈھل گئی آخر
اثر ہوا نہ اُجالوں کا خُفتگاں پہ کوئی

سُبک خیال، سُبک رو، سُبک نظر ہوں، مگر
ہے پھر بھی بوجھ سا جمشید جسم و جاں پہ کوئی

(بیاض)

حسن عباسی

ہو کے حالات سے مجبور چلے جاتے ہیں
بیٹے ماؤں سے بہت دور چلے جاتے ہیں

گھر کے آنگن میں بہت پیار سے پلنے والے
بن کے پردیس میں مزدور چلے جاتے ہیں

روک سکتے نہیں آنکھوں کے سمندر اُن کو
بے بسی اوڑھ کے مہجور چلے جاتے ہیں

پیڑ آندھی میں سلامت نہیں رہنے پاتے
ٹہنیاں ٹوٹتی ہیں، بور چلے جاتے ہیں

جانے والے بھی کہاں لوٹ کے آتے ہیں حسنؔ
کتنی عیدیں، کئی عاشور چلے جاتے ہیں

(قرطاس)

حلیم قریشی

جو کچھ بچا ہے اُس کو سمیٹو چلو چلیں
اب راکھ ہی کو تکتے رہو گے اُٹھو چلیں

جن کے لیے یہ ساری مصیبت اُٹھائی ہے
آگے بھی اور کام ہیں اُن سے کہو؛ چلیں

چلتے رہے تو لوگ بھی چلتے رہیں گے ساتھ
اب کس کا انتظار ہے میری سنو! چلیں

لکھیں تو اس زمیں کی حمایت کا درس ہو
مٹی میں اعتبار کے کچھ بیج بو چلیں

گلزار ہو کہ دار ہو سچ کو سخن کریں
میلا بہت ضمیر ہے کچھ داغ دھو چلیں

بالوں میں جو بھی خاک جمی ہے وطن کی ہے
دامن بھی تار تار ہے اس کو سیو چلیں

پلکوں سے آنسوؤں نے گزرتے ہوئے کہا
شامِ فراق یار ہے اس کو بھگو چلیں

(فنون)

حماد نیازی

دل کی یاد دہانی سے
آنکھ کھلی حیرانی سے
سارے رنگ ابھرتے ہیں
بے رنگے اس پانی سے
ہار دیا ہے عجلت میں
خود کو کس آسانی سے
حرف نگاری سیکھی ہے
کمرے کی ویرانی سے
پیڑ اجڑتے جاتے ہیں
شاخوں کی نادانی سے
داغِ گریہ آنکھوں کا
کب دھلتا ہے پانی سے
خوف آتا ہے منظر کو
بھید بھری عریانی سے
روز پسینہ بہتا ہے
آنکھوں کی پیشانی سے

(حرف)

حمیرا راحت

بد دعا چاہیے یا دعا چاہیے
زندگی یہ بتا تجھ کو کیا چاہیے

ٹوٹنا آئنے کا مقدر ہے کیوں
عکس کو بھی کبھی ٹوٹنا چاہیے

ماں کی مسکان، گڑیا، کھلونوں کا گھر
مجھ کو پھر سے مرا بچپنا چاہیے

کٹ کے گرتے شجر نے کہا چیخ کر
کیا زمیں کو کوئی سانحہ چاہیے

ابر ہو، رات ہو اور تنہائی ہو
اس سے بڑھ کر مجھے اور کیا چاہیے

کس میں کتنی سکت درد سہنے کی ہے
درد کو بھی ذرا سوچنا چاہیے

رنگ گہرا تو ہے تیرا اے زندگی
اب کوئی رنگ اس سے جُدا چاہیے

(بیاض)

حیدر قریشی

عروج کیا ہے، زوال کیا ہے
خوشی ہے کیا اور ملال کیا ہے
یہ گردشِ ماہ و سال کیا ہے
زمانے! تیری یہ چال کیا ہے
بھلے ہو وقتی اُبال چاہت
مگر یہ وقتی اُبال کیا ہے
ہوس تو بے شک ہوس ہی ٹھہری
پہ جستجوئے وصال کیا ہے
ہے دل کوئی بے کنار صحرا
کہ آرزوؤں کا جال، کیا ہے
حقیقتیں تو فریب نکلیں
جہانِ خواب و خیال کیا ہے
سوال جو اتنے کر رہے ہو
تمہارا اصلی سوال کیا ہے
ہر ایک رنجش بھلا چکے ہو
تو دل کے شیشے میں بال کیا ہے
خدا ہے مشکل کشا تو حیدر
کوئی بھی کارِ محال کیا ہے

خالد اقبال یاسر

دل کو احساس تو ہے خطرے کا
کیا کروں زنگ زدہ برچھے کا
عکس آنکھوں میں ہری چڑیا کی
بے ہدف اڑاتے ہوئے چھرّے کا
مہربانی تری دشمن میرے
اسلحہ میرا ترے قرضے کا
ہتھکڑی میں بھی جڑے ہیں موتی
طوق کا زر بھی مرے کنٹھے کا
فصل تیری ہے زمینیں میری
منتظر میں نہیں پھل پکنے کا
وقت کچھ دیر ترے ساتھ سہی
تخت کا تُو ہے نہ میں تختے کا
بند جب کھل ہی گئے تو یاسرؔ
کاج کی فکر نہ غم تکمے کا

(الحمرا)

خالد خواجہ

واعظو شہر کے اطوار بدلنے سے رہا
میں کسی شخص کا کردار بدلنے سے رہا

آپ کو ہونا پڑے گا ذرا ان کا عادی
میں تو گھر کے در و دیوار بدلنے سے رہا

اب سفر سے تو یہ بہتر ہے کہ گھر میں بیٹھوں
قافلہ، قافلہ، سالار بدلنے سے رہا

کتنے بدلے ہیں ترے حسن نے موسم لیکن
یہ ترا طالبِ دیدار بدلنے سے رہا

بعض چیزوں کا بدلنا نہیں ممکن جیسے
آئنہ، آئنہ بردار بدلنے سے رہا

میں نے کوشش تو بہت کی ہے مگر خالد جی
کششِ درہم و دینار بدلنے سے رہا

(جدید ادب)

ڈاکٹر خان محمد ساجد

مجھے اے خواب میں آ کر جھنجھوڑنے والے
تو اب کہاں ہے مرا ساتھ چھوڑنے والے

کہاں ہیں ٹوٹے ہوئے قلب جوڑنے والے
کہاں ہیں ظلم کی زنجیر توڑنے والے

یہ مسکراتے ہیں کانٹوں کے زخم سہہ کر بھی
نہیں یہ پھول کبھی ضبط چھوڑنے والے

کہاں ہیں دعویٰ انسانیت کے خوشہ چیں
کہاں ہیں درد کا سیلاب موڑنے والے

ہماری قبر پہ میلہ سجانے آئے ہیں
ہماری رنگ سے لہو کو نچوڑنے والے

وہ جن کے مان پہ ساجد تو سر اُٹھاتا تھا
وہ آج ہو گئے اس سر کو پھوڑنے والے

(سحاب)

خورشید بیگ میلسوی

درد رونے سے ذرا کم بھی تو ہو سکتا ہے
یہ مرے زخم کا مرہم بھی تو ہو سکتا ہے

کر رہا ہے جسے تو شورِ ہوا سے تعبیر
کوئی آوارۂ ماتم بھی تو ہو سکتا ہے

زعم کس بات کا ہے تجھ کو جہانِ خود سر
سرِ مغرور ترا خم بھی تو ہو سکتا ہے

حُسنِ ظن اپنی جگہ، وہم و گماں اپنی جگہ
مرا دشمن مرا محرم بھی تو ہو سکتا ہے

یوں بھی خاموشیِ پیہم ہے گوارا مجھ کو
وہ کسی بات پہ برہم بھی تو ہو سکتا ہے

اے جہاں والو مری تلخ نوائی کا سبب
جبرِ تبدیلیِ موسم بھی تو ہو سکتا ہے

(تخلیق)

خورشید رضوی

لوگ کیا بن جائیں؟ باطن کا کہا مانیں اگر
معجزے ہو جائیں، جی میں معجزے ٹھانیں اگر

ہم ہیں اس گھر میں، تو اس کو پوچھتا کوئی نہیں
اک جہاں ٹوٹے، یہاں سونے کی ہوں کانیں اگر

حسبِ حال اک خامشی تصویر خانے میں رہے
خوب ہو، مٹی کے پتلوں میں نہ ہوں جانیں اگر

خاکساری پر ہیں کیا کیا؟ اہلِ دنیا کے سلوک
کیا قیامت ہو؟ ہم اپنی قدر پہچانیں اگر

اہلِ دل، اہلِ جہاں کے غم میں ہیں کیوں دل فگار
میں انہیں درسِ خموشی دوں! مری مانیں اگر

ہیں یہی منصف تو میرے قتل ہو جانے کے بعد
کیا تعجب ہے؟ مجھے قاتل بھی گردانیں اگر

ہے روا خورشید اُن کھوئے خزانوں کے لیے
ہم سرِ گورِ غریباں، خاک بھی چھانیں اگر

(بیاض)

راحت سرحدی

برنگِ شاخ جہاں سانپ سر نکالے گا
پرندہ خاک وہاں بال و پر نکالے گا

میں اُس کے رستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہوں
وہ اپنی راہ مجھے کاٹ کر نکالے گا

سنے گا کون محبت کی ڈوبتی آہیں
وہ بات بات پہ جب مال و زر نکالے گا

آ اپنے سینے پہ رکھ لوں ترا رخِ روشن
یہ دل سے سطوتِ ظلمت کا ڈر نکالے گا

نہ کوئی در نہ دریچہ نہ آسماں راحتؔ
جنوں ہی کوئی نئی رہگزر نکالے گا

(قرطاس)

رانا سعید دوشی

میں آبنائے ہوں مجھ کو خرام چاہیے ہے
بقا کی بات نہیں اب دوام چاہیے ہے
مرے فلک سے گزر بند ہوا اماوس کا
ہر ایک شب مجھے ماہِ تمام چاہیے ہے
ترے جہاں سے جدا چاہیے کوئی سورج
ترے جہاں سے ورا صبح و شام چاہیے ہے
جنون جس کا قفس میں بھی پھڑپھڑاتا رہے
مجھے وہ طائرِ دل زیرِ دام چاہیے ہے
میں کار ہائے محبت میں بے ہنر ہی سہی
ہنر وری کے لیے بھی تو کام چاہیے ہے
چلو تو ساتھ چلو ورنہ الوداع کہو
کہ اس فسانے کو اب اختتام چاہیے ہے

(تجدیدِ نو)

رحمان حفیظ

اس خموشی میں کوئی راز بھی ہو سکتا ہے
آسماں گوش بر آواز بھی ہو سکتا ہے

دوسروں تک بھی پہنچتی ہے کچھ الفاظ کی لو
سخن آرائی اک اعزاز بھی ہو سکتا ہے

آدمی ڈھونڈتا پھرتا ہے سرِ عمرِ فنا
ایک لمحہ جو پس انداز بھی ہو سکتا ہے

ان کہے الفاظ جسے ڈھونڈتے پھرتے ہیں یہاں
وہ مرا حیطۂ آواز بھی ہو سکتا ہے

تار، مضراب کی جنبش سے بھی کٹ جاتے ہیں
یعنی جو ساز ہے ناساز بھی ہو سکتا ہے

ہر خوشی اپنی ہی ساعت میں گزر جاتی ہے
بس یہ غم ہے کہ پس انداز بھی ہو سکتا ہے

ہوں نئے مرحلۂ فکر و نظر میں رحمان
یہ مرے عہد کا آغاز بھی ہو سکتا ہے

(حرف)

سوکھ کر خار ہوئے پھول بھی گلدانوں پر
اس قدر بوجھ مت ڈال مرے شانوں پر

سرخ رنگت کسی عارض کی طرح پھیل گئی
تیری آواز کے چھونے سے، مرے کانوں پر

اس کو محسوس فقط رات ہی کر سکتی ہے
وہ قیامت جو گزر جاتی ہے پروانوں پر

کیسے عشاق ہیں یا رب مرے طفلِ مکتب
جانے کب کھیلنا آئے گا انہیں جانوں پر

انتہا صبر کی ہوتی ہے، نہیں ہوتی ہے
دیکھ لیں کوہ کو رکھتے ہوئے انسانوں پر

آپ کا ہنسنا ہے مشہور زمانے میں مگر
آپ رو پڑتی ہیں رخشندہ دُکھی گانوں پر

(بیاض)

رستم نامی

ستم گر دل کی چوری کر رہے ہیں
اور اس پر سینہ زوری کر رہے ہیں
کمی تھی قافیے کی اس لیے ہم
ضَرُوری کو ضَرَوری کر رہے ہیں
کہاں یہ زندگی ہوتی ہے ہم سے
مگر ہم زورا زوری کر رہے ہیں
ذرا سا پارکوں میں گھومتے ہیں
ذرا سا دل پشوری کر رہے ہیں
مگر دل کی سیاہی جوں کی توں ہے
اگرچہ شکل گوری کر رہے ہیں
بہلتے ہی نہیں بچے کسی طور
بہت برباد لوری کر رہے ہیں
کسی کو ٹالتے ہیں وہ مہینوں
کسی کا کام فوری کر رہے ہیں
ہوا خوری ہے یا پھر خاک خوری
چلو کچھ مفت خوری کر رہے ہیں
نہیں بیٹھے ہیں کچھ بیکار نامی
یہ ہم جو کام چوری کر رہے ہیں

(شعروسخن)

روحی کنجاہی

کبھی ہوتا، کبھی نہیں ہوتا
آدمی آدمی نہیں ہوتا

جو نہ چاہوں، وہ ہو کے رہتا ہے
جو بھی چاہوں، وہی نہیں ہوتا

زیست وہ بھی گزار لیتا ہے
جس کسی کا کوئی نہیں ہوتا

حُسنِ سرکار کی عدالت سے
کوئی ملزم بری نہیں ہوتا

کتنا قابل ہو چاہے، ہر کوئی
قابلِ دوستی نہیں ہوتا

لوگ بے لوث بھی بہت ہوں گے
ہر کوئی مطلبی نہیں ہوتا

کون کہتا ہے عام لوگوں کا
مقصدِ زندگی نہیں ہوتا

بعض اوقات کچھ بھی کرنے کا
موقع اور وقت ہی نہیں ہوتا

کتنے لوگوں کی سوچ کا انداز
کچھ بھی ہو منطقی نہیں ہوتا

ضمنی کردار بھی تو ہوتے ہیں
ہر کوئی مرکزی نہیں ہوتا

ہر کوئی آدمی سہی، روحی
ہر کوئی آدمی نہیں ہوتا

(بیاض)

لمحہ لمحہ بدل رہی ہوں میں
یاد میں کس کی ڈھل رہی ہوں میں

راس آتی نہیں کبھی مجھ کو
روشنی سے نکل رہی ہوں میں

اُس کی یادیں ہیں اب مرا وجدان
خود ہی خود میں اُجل رہی ہوں میں

میں نے ہر بات سچ کہی اُس سے
ہر کہے پر اٹل رہی ہوں میں

وقت پھر ساتھ کیوں نہیں دیتا
وقت کے ساتھ چل رہی ہوں میں

ہاں! تمازت میں اُس کی یادوں کی
رات دن کیوں پگھل رہی ہوں میں

کیا حقیقت ہے کیا ہے خوش فہمی
سوچ کر یہ سنبھل رہی ہوں میں

بن رہی ہوں میں فطرتاً بچہ
ہر قدم پر مچل رہی ہوں میں

میرا فردا تمھیں بتائے گا
آج کل اپنے کل رہی ہوں میں

روشنی ہے کہ آگ ہے چاہت
جانے کیوں اس میں جل رہی ہوں میں

وقت پھر کیا مٹائے گا مجھ کو
وقت کو خود اُگل رہی ہوں میں

مجھ کو وہ کیا بھلائے گا رومیؔ
اُس کا دشت و جبل رہی ہوں میں

(تخلیق)

ریاض مجید

کتنے اندیشے ہیں سانسوں کے بہاؤ میں مجھے
خوف، گرداب کی مانند ہے ناؤ میں مجھے

مَیں جہاں بھر کے خزانوں سے بڑا خواب ایک
اور بیچا گیا تعبیر کے بھاؤ میں مجھے

ریزہ ریزہ کوئی شے ٹوٹ رہی ہے مجھ میں
عمر لے آئی ہے کس دُکھ کے کٹاؤ میں مجھے؟

دسترس میں مری خود میری جبلّت بھی نہیں
لیے پھرتا ہے کوئی اپنے بہاؤ میں مجھے

شورِ ماحول سے کچھ بچ رہی تنہائی ہوں مَیں
زندگی ہار نہ یوں ایک ہی داؤ میں مجھے

مَیں کسی اور زمانے کا نظر آیا اسے
ملی یہ عمر کسی اور سبھاؤ میں مجھے

اُس کی خاطر بھی بچا رکھوں کوئی خواب ریاضؔ
جس نے ملنا ہے کسی اگلے پڑاؤ میں مجھے

(اجرا)

زہیر کنجاہی

اِک سُکھ کے بعد سارے ہی غم بھولنا میاں
اک ہاں کے بعد ظلم و ستم بھولنا میاں

کیسا بھی کوئی ہو مگر اپنا ہے اک سوال
غیروں کی رہ میں نقشِ قدم بھولنا میاں

اتنی ہے التجا کہ زمانوں کے بعد بھی
ملنے کی تم نہ اپنی قسم بھولنا میاں

کرسی نہیں رہے گی ہمیشہ یہ جان لو
اپنا یہ پُرفریب بھرم بھولنا میاں

کیسے چھپاؤں گے یہ دلِ زار کے الم
ممکن جو ہو تو رنج و الم بھولنا میاں

ہونا تھا جو بھی وہ تو یہاں ہو چکا زُہیر
آگے بڑھو تو پچھلے قدم بھولنا میاں

(بیاض)

ساقی فاروقی

ہراس پھیل گیا ہے زمین دانوں میں
قیامتیں نظر آتی ہیں آسمانوں میں

نہ جانے کس کی نظر لگ گئی اُن آنکھوں کو
جو خواب دیکھتی تھی خوف کے زمانوں میں

یہاں خیال کے سوتوں سے خون پھوٹے گا
سراب کے لیے جنگیں ہیں ساربانوں میں

یہ کون ہیں کہ خدا کی لگام تھامے ہوئے
پڑے ہوئے ہیں قناعت کے شامیانوں میں

میں اپنے شہر سے مایوس ہو کے لوٹ آیا
پرانے سوگ بسے تھے نئے مکانوں میں

(سمبل)

سعد اللہ سورج

آ کر نہ جانے والے اے مہماں خوش آمدید
خوش آمدید اے غمِ جاناں خوش آمدید

اے نورِ عین ماہِ درخشاں خوش آمدید
خوش آمدید رشکِ بہاراں خوش آمدید

آثار کچھ تو ہم میں نمایاں جنوں کے ہیں
ہم سے جو کہہ رہا ہے بیاباں خوش آمدید

تجھ سے اُلجھ کے خود کو سنوارا کریں گے ہم
خوش آمدید اے غمِ دوراں خوش آمدید

آخر مری غزل میں ہوا آشکار تو
خوش آمدید اے غمِ پنہاں خوش آمدید

عہدِ فراق کٹ گیا آئی وصال رُت
اے موسمِ وصالِ غزالاں خوش آمدید

(شعروسخن)

سعود عثمانی

طلسمی گیت جیسا، ریشمی مہکار جیسا
یہ منظر چار جانب دُودھیا دیوار جیسا

جھجکتا اور لب کرتا معطر بوسۂ تر
یہ موسم اپنی نوخیزی میں پہلے پیار جیسا

نکھرتا آ رہا ہوں آئنہ در آئنہ میں
اُترتا جا رہا ہے روح سے زنگار جیسا

زباں پر ذائقے انجیر اور زیتون جیسے
ہوا میں رس کسی مشروبِ میوہ دار جیسا

یہ نیلے مرمرا کے تھال میں خود رَو زمرّد
جزیروں پر بسا اک شہر کوئے یار جیسا

سنہرے خواب کے ماضی سے آتی باسفورس
گزرتا وقت بھی گزرے ہوئے ادوار جیسا

کسی ترشے ہوئے ہیرے کی صورت قصرِ ابیض
ہلالِ شاخِ زریں خنجرِ خم دار جیسا

پہاڑی پر بنے مسکن، کلاہ سرخ پہنے
یہ قصبہ لاجوردی نقرئی اشجار جیسا

طلائی فرغلوں میں صبح کرتا شہرِ خوبی
منقش آئنے جیسا، مرصع ہار جیسا

وصال و ہجر کے ملتے ہوئے دو براعظم
مہک اس پار جیسی، فاصلہ اُس پار جیسا

جمالِ یار تیری مدح کب ممکن ہوئی ہے
سو میں بھی کر رہا ہوں بن پڑے اظہار جیسا

اور اب میں اس نتیجے پر پہنچتا جا رہا ہوں
بہت آسان ہوتا ہے بہت دشوار جیسا

(الحمرا)

سعید احمد اختر

سجدہ کہاں لگا ہے ہماری جبین کا
چرچا ہے پھر فلک پر ترے در نشین کا

میری وفا ہے میری زمیں سے جڑی ہوئی
پہلا سبق ہے میرا وطن میرے دین کا

کل رات جس کو چاند سمجھتے رہے تھے ہم
کنگن اُچھل گیا تھا کسی نازنین کا

آنے لگی ہے اُن کو سمجھ میری بات کی
کیوں ورنہ قصر ہے متزلزل یقین کا

ہنسیے، چراغ اُجالیے، پودے لگایئے
کچھ حوصلہ بڑھایئے غمگیں زمین کا

اس ڈر سے روک رکھے ہیں آنسو سعید نے
آنچل نہ بھیگ جائے کسی عنبرین کا

(مونتاج)

سلطان رشک

ایک موسم ایک ہی آہنگ میں رہتے ہوئے
عمر گزری ہے، فریبِ رنگ میں رہتے ہوئے

وقت کی رفتار مہک تھی مگر قائم رہی
تیری کوملتا، دیار سنگ میں رہتے ہوئے

زخم کتنے پائے، کتنے دکھ ملے احباب سے
دوستی کے حلقۂ خوش رنگ میں رہتے ہوئے

پھول سے خوشبو صبا سے نغمگی رخصت ہوئی
ایک مدت سے نواحِ سنگ میں رہتے ہوئے

مل نہیں سکتی کبھی شہرت کسی فنکار کو
خود ستائی کے حصارِ رنگ میں رہتے ہوئے

آتشِ خاموش کی صورت سے ہم سلطان رشکؔ
جل بجھے محرابِ نام و ننگ میں رہتے ہوئے

(نیرنگِ خیال)

سلطان سکون

روگ جو اب کے لگا ہے کبھی جانے کا نہیں
اب جو دہکا ہے الاؤ وہ بجھانے کا نہیں

اُس نے کچھ ایسے دل و جاں میں سرایت کی ہے
اب کسی طور بھی میں اُس کو بھلانے کا نہیں

اس نے کچھ ایسے اجاڑا ہے مرے دل کا مکاں
اب کسی اور کے بھی بسنے بسانے کا نہیں

نہیں آتا تو نہ آئے مری چاہت کا یقیں
اب میں دل چیر کے تو اُس کو دکھانے کا نہیں

دکھ سنا دینے سے ہو جاتا ہے کچھ ہلکا بھی
دکھ مگر اپنا کسی کو بھی سنانے کا نہیں

میرا دکھ جاننے کو کیا مری آنکھیں کم ہیں
سامنے سب کے میں آنسو تو بہانے کا نہیں

خلق و اخلاص و وفا مہر و مروت کا چلن
نہیں جس شخص میں وہ میرے گھرانے کا نہیں

آخری عمر کا ہے عشق خدا خیر کرے
جان لے گا ویسے تو یہ جانے کا نہیں

کٹ کے رہ جائے نہ دنیا سے کہیں یار سکونؔ
اک چلن بھی ترا موجودہ زمانے کا نہیں

(الحمرا)

سلیم کوثر

بس یہی تھا کہ وہی شخص دوبارہ ملتا
کب یہ چاہا تھا ستارے سے ستارا ملتا

سوچنے کے لیے اک اور خیال آ جاتا
دیکھنے کے لیے اک اور نظارہ ملتا

صرف دریاؤں میں اُترنا تو کوئی بات نہیں
کسی طوفاں سے الجھتے تو کنارا ملتا

تم کبھی شہرِ محبت کی طرف آئے نہیں
ورنہ ہر جا یہ تمہیں نقش ہمارا ملتا

ہم بساطِ غمِ ہستی کو اُلٹ سکتے تھے
تیری جانب سے اگر کوئی اشارہ ملتا

جانے کس وادیِ ظلمت کا سفر تھا کہ مجھے
افقِ شام پہ سورج تھکا ہارا ملتا

ہم زمیں پر نہ اُتارے گئے ہوتے جو سلیم
آسماں پر نہ کہیں چاند نہ تارا ملتا

(اجرا)

سید عارف

پیشانیِ ضمیر میں خم اور کتنی دیر
ہے سرنگوں انا کا علم اور کتنی دیر
کب تک رہے گی کاسہ بدستی کی زرد رُت
یہ بے کسیِ اہلِ حرم اور کتنی دیر
بابِ سحر پہ رات کی زنجیر کب تلک
ہے صبح شب کے زیرِ قدم اور کتنی دیر
کب تک رُکا رہے گا سفر حرف و صوت کا
اہلِ قلم کے ہاتھ قلم اور کتنی دیر
یہ سیل تاج و تخت اترنا بھی ہے کبھی
رعبِ فریبِ جاہ و حشم اور کتنی دیر
اک دوسرے میں پیار کی سوغات بانٹ لیں
یہ صحبتیں، یہ ربطِ بہم اور کتنی دیر
آخر کو ڈوب جائیں گے سیلابِ وقت میں
''تم اور کتنی دیر ہو ہم اور کتنی دیر''
فصلِ وصال، موسمِ ہجراں کی زد میں ہے
یہ وقفۂ وجود و عدم اور کتنی دیر

(قرطاس)

سید مشکور حسین یاد

تدبیر سے تقدیر سنبھالی نہیں جاتی
اتنی بڑی جاگیر سنبھالی نہیں جاتی

ہم دیکھ نہیں سکتے تجھے تجھ سے علیحدہ
ہم سے تری تصویر سنبھالی نہیں جاتی

تعمیر اُڑا دیتی ہے تخریب کے پُرزے
تخریب سے تعمیر سنبھالی نہیں جاتی

تخلیق سے لوح و قلم آگے نہیں بڑھتے
ان سے کبھی تحریر سنبھالی نہیں جاتی

ہم خواب نہ دیکھیں تو کہاں جائیں مری جاں
ہم سے کوئی تعبیر سنبھالی نہیں جاتی

کیجیے تو نیامِ اُس کو ذرا اپنے لہو میں
کیسے کوئی شمشیر سنبھالی نہیں جاتی

وہ سایۂ عجلت میں چلی جاتی ہے مشکورؔ
تاریخ سے تاخیر سنبھالی نہیں جاتی

(الحمرا)

سید معراج جامی

کیا ملا آ کے مجھے جلوہ گہ ناز کے پاس
دھوپ ہی دھوپ نظر آتی ہے دیوار کے پاس

تیری عظمت کی گواہی میں یہ اعلان ہوا
کوئی تصویر نہ رکھے ترے شہکار کے پاس

تیرا دیدار ہے اب تیرے کرم سے ممکن
چشمِ بینا ہی نہیں طالبِ دیدار کے پاس

تو نہ ہوتا تو تری یاد تسلی دیتی
کوئی غم خوار تو ہوتا ترے بیمار کے پاس

چند آنسو ہیں ندامت کے مری آنکھوں میں
اور تو کچھ بھی نہیں مجھ سے گنہ گار کے پاس

منہدم قصرِ انا ہو کے رہے گا اے دوست
آج کے دور میں منصور ہیں پھر دار کے پاس

آ گیا میرے تعاقب میں وہاں بھی سورج
بچ کے پہنچا بھی اگر سایۂ دیوار کے پاس

کیوں وہ ساحل کی تمنا میں رہے اے جامی
زندگی جس کو نظر آتی ہو منجدھار کے پاس

(عطا)

سید نوید حیدر ہاشمی

دکھائی دیتا ہے سب کچھ یہاں چمکتا ہوا
نہ جانے کیا ہے سرِ آسماں چمکتا ہوا

بس اک ستارے کو میں نے چھوا، پھر اس کے بعد
دکھائی دینے لگا، میں وہاں چمکتا ہوا

تجھے ادا نہیں ہونا چراغ بجھنے تک
تو حرفِ خاص ہے، زیرِ زباں چمکتا ہوا

اندھیری شب میں انہیں راستہ دکھائے گا
وہ اک دیا سرِ نوکِ سنا چمکتا ہوا

کسی کے من کے اندھیرے کو ختم کر نہ سکا
مرے خدا ترا سارا جہاں چمکتا ہوا

کہانی جیت گئی قصہ گو مبارک ہو
میں آ گیا ہوں سرِ داستاں چمکتا ہوا

درِ طلسم پہ سارے چراغ بجھ گئے ہیں
نکل رہا ہے شجر سے دھواں چمکتا ہوا

میں جا رہا ہوں نوید اپنے خواب کے اُس پار
پتہ لگانا ہے، کیا ہے وہاں چمکتا ہوا

(حرف)

سیّدہ آمنہ بہار رونا

بن گیا اِک راستہ، پھر خواب اور خواہش کے بیچ
بارشوں نے کچھ کہا، پھر خواب اور خواہش کے بیچ

آنکھ تھی جس کی سوالی وہ کرن دیکھی نہیں
اک ستارہ رکھ دیا پھر خواب اور خواہش کے بیچ

میری آنکھوں میں بنا کر نقش اپنے خواب کا
وہ ہوا مجھ سے جدا پھر خواب اور خواہش کے بیچ

آنکھ میں چبھتا رہا کاجل گزرتی رات کا
کس نے لکھی بددعا پھر خواب اور خواہش کے بیچ

اس کے آنے کا سے، خوشبو، صبا اور چاندنی
پھول جیسے کھل گیا، پھر خواب اور خواہش کے بیچ

خشک پتے دربدر ہو کر چمن ڈھونڈا کیے!
آ گئی کیسے ہوا، پھر خواب اور خواہش کے بیچ

(مونتاج)

شاہین عباس

میں ہُوا تیرا ماجرا، تُو مِرا ماجرا ہوا
وقت یونہی گزر گیا، وقت کے بعد کیا ہوا

کیسا گزشتہ دن تھا جو، پھر سے گزارنا پڑا
دھوپ بھی تھی بچی ہوئی، سایہ بھی تھا بچا ہوا

صبح کے ساتھ جائے کون، شام کو لے کے آئے کون
رات کا گھر بسائے کون، ہے کوئی جاگتا ہوا

ایک مکاں میں کچھ ہوا، بات سنی نہ جا سکی
لوگ گلی گلی سے اب، پوچھ رہے ہیں، کیا ہوا

پکڑا گیا تھا، کیا کروں، شوق تھا یہ گڑھا بھروں
صبح، طلوع کا ہوا، شام، غروب کا ہوا

صحن میں چارپائی پر، بیٹھا ہوا ہوں دیر سے
لمحوں کا مسئلہ ہوں اور صدیوں سے ہوں ملا ہوا

ایسے میں بھی عجب نہیں، جی سکوں اور مر سکوں
اپنے خراب و خوب کا، حیرتی ہوں، تو کیا ہوا

یوں ہی چپ نہیں ہوں میں، کوئی تو بات ہے ضرور
یہ جو قضا ہوا ہے خواب، سجدہ تھا، جو قضا ہوا

اور میں باقی رہ گیا، باتیں بنانے کے لیے
میری طرح کا ایک شخص، تیرے لیے فنا ہوا

(تسطیر)

شبنم شکیل

دوستوں کا ذکر کیا دشمن ہیں جب بدلے ہوئے
شہر میں تو اب نظر آتے ہیں سب بدلے ہوئے

زیست کے ادوار کتنے مختلف سے ہو گئے
سال و مہ ٹھہرے ہوئے اور روز و شب بدلے ہوئے

کس کی دلجوئی کریں کس کو مبارک باد دیں
جب خوشی اور غم کے ہوں یکسر سبب بدلے ہوئے

اک پرانا راستہ اب کس طرح ڈھونڈے کوئی
شہر بھر کے سب گلی کوچے ہوں جب بدلے ہوئے

روز و شب کی گردشیں دل کو بدل پائی نہیں
آئنے میں گرچہ ہیں رُخسار و لب بدلے ہوئے

(مونتاج)

شمشیر حیدر

موجۂ درد میں سامان طرب تجھ سے ہے
ایسی وحشت میں بھی خوش ہوں تو یہ سب تجھ سے ہے

تجھ سے ناراض نہیں خود سے خفا رہتا ہوں
جو شکایت مجھے خود سے رہی کب تجھ سے ہے

عکس روشن ہے ترا صورتِ مہتاب یہاں
کتنا آباد یہ آئینۂ شب تجھ سے ہے

پیاس اب وہ ہے کہ پانی سے جو بجھتی ہی نہیں
جو تعلق مرا دریا سے تھا اب تجھ سے ہے

تو نے لفظوں کے پرندوں کو سکھایا اڑنا
شعر کہنے کا یہ انداز یہ ڈھب تجھ سے ہے

(حرف)

شناور اسحاق

مرا مٹی سے رشتہ طائرانہ رہ گیا ہے
ہمارے درمیاں اب آب و دانہ رہ گیا ہے

بہر سو خوش نفس دم سادھ کر بیٹھے ہوئے ہیں
ہوا کا آنگنوں میں آنا جانا رہ گیا ہے

سنہری ناؤ، آبِ نیلگوں میں تہہ نشیں ہے
بدن پر ابروؤں کا شامیانہ رہ گیا ہے

جبیں پر داغ لگوالوں کہ آنکھیں پھوڑ ڈالوں
مری زنبیل میں اک آستانہ رہ گیا ہے

شناور، کوزہ گر کا تخلیہ تکمیل پر ہے
بس اب تو گاہے گاہے مسکرانا رہ گیا ہے

(حرف)

شوکت مہدی

کیسے کیسے نہ کیا دُور ترا شک میں نے
یہ کماں رکھی ہے کھینچا نہیں ناوک میں نے

حاصلِ عمر بس اک رنگ سے خالی تصویر
دلِ خوش فہم بتا کیا کیا اب تک میں نے

ایک آواز پہ یوں کون چلا جاتا ہے
دل کی جس طرح سے محسوس کی دھک دھک میں نے

یہ تو ہونا تھا مرے ساتھ کہ دُھن تھی ہی یہی
بوریا باندھ لیا گھر سے اچانک میں نے

یہ خوش آئند گھڑی لوٹ نہ جائے مہدی
دل دوارے پہ سنی ہے کوئی دستک میں نے

(موتاج)

شہاب صفدر

کچھ اُکتائے ہیں یوں شہرِ محبت میں نہیں رہتے
کہ ہم خاکی ہیں اور تادیر جنت میں نہیں رہتے

نظر تو خیرہ ہوتی ہے نفس تازہ نہیں ہوتا
یہاں سب رنگ خوشبو کی معیت میں نہیں رہتے

چلے گا زور کیا تیرا اُن آشفتہ مزاجوں پر
جو اے دنیا تری حدِ حکومت میں نہیں رہتے

کوئی غم جب نہیں کھاتے، ہمیں کھاتا ہے غم کوئی
سو بے مصرف کسی فرصت کی ساعت میں نہیں رہتے

بہت خوش ہیں بسر صحرا مگر دریا دلی یہ دُکھ
ترے قربِ عطا اور باغِ نسبت میں نہیں رہتے

یہ حیراں ہو دلِ سادہ! جہاں راتیں چمکتی ہوں
وہاں اکثر خدوخال اصل صورت میں نہیں رہتے

برابر مجھ کو رہتا ہے شہابؔ احساسِ یکتائی
بھلے احباب میرے کنجِ عزلت میں نہیں رہتے

(سیپ)

شہزاد احمد

جس نے تری آنکھوں میں شرارت نہیں دیکھی
وہ لاکھ کہے اُس نے محبت نہیں دیکھی

اک روپ مرے خواب میں لہرا سا گیا تھا
پھر دل میں کوئی چیز سلامت نہیں دیکھی

آئنہ تجھے دیکھ کے گلنار ہوا تھا
شاید تری آنکھوں نے وہ رنگت نہیں دیکھی

یوں نقش ہوا آنکھ کی پُتلی پہ وہ چہرہ
پھر ہم نے کسی اور کی صورت نہیں دیکھی

خیرات کیا وہ بھی جو موجود نہیں تھا
تُو نے تہی دستوں کی سخاوت نہیں دیکھی

صد شُکر گزاری ہے قیامت تنِ تنہا
اس رات کسی نے مری حالت نہیں دیکھی

کیا تجھ سے کہیں کیسے کٹی، کیسے کٹے گی
اچھا ہے کہ تُو نے یہ مصیبت نہیں دیکھی

شاید اسی باعث وہ فروزاں ہے ابھی تک
سورج نے کبھی رات کی ظلمت نہیں دیکھی

سب کی طرح تُو نے بھی مرے عیب نکالے
تُو نے بھی خدایا مری نیت نہیں دیکھی

تنکا ہوں مگر سیل کے رستے میں کھڑا ہوں
اے بھاگنے والو! مری ہمت نہیں دیکھی

جو ٹھان لیا دل میں وہ کر گزرا ہوں شہزاد
آئی ہوئی سر پر کوئی آفت نہیں دیکھی

(بیاض)

صابر ظفر

مثالِ سنگ پڑا کب تک انتظار کروں
پگھلنے میں جو روانی ہے، اختیار کروں

خبر نہیں، وہاں تُو کون سے لباس میں ہو
میں کیسے عالمِ پنہاں کو آشکار کروں

برنگِ موجۂ خوشبو اڑا اڑا پھرے تُو
میں اپنے قرب سے کیوں تجھ کو زیر بار کروں

میں دیکھتا ہوں اسے کیسے کیسے رنگوں میں
کشید رنگ کروں اور بار بار کروں

وہ ایک بار بھی مجھ سے نظر ملائے اگر
تو میں اسے بھی کوئی مہرباں شمار کروں

جو تُو گیا ہے تو میں بھی چلا گیا گویا
اور اب میں دشتِ تحیر میں خود کو خوار کروں

یونہی تو میں ظفر اس حال کو نہیں پہنچا
فریب دے جو مجھے، اس پہ اعتبار کروں

(تسطیر)

صفدر سلیم سیال

یہ پُر سرور اذیت کہاں سے آتی ہے
مرے خدا یہ محبت کہاں سے آتی ہے
میں اپنے آپ سے اکثر سوال کرتا ہوں
ترے لبوں کی حلاوت کہاں سے آتی ہے
وہ جس کے بعد کوئی آرزو مچلتی نہیں
وہ دلفریب رفاقت کہاں سے آتی ہے
میں تیرے لمس کی لذت سنبھال رکھتا ہوں
مرے لہو میں یہ قدرت کہاں سے آتی ہے
جو جسم و جاں کو تروتازگی سے مہکائے
وہ پرغرور قناعت کہاں سے آتی ہے
یہ راز تیرے سوا اور کون سمجھے گا
مرے سخن میں یہ ندرت کہاں سے آتی ہے
ٹھہر سکے نہ کوئی جس کے سامنے مری جاں
نہ جانے ایسے شباہت کہاں سے آتی ہے
لپٹ کے تجھ سے میں اکثر یہ سوچتا ہوں سلیم
مرے بدن میں تمازت کہاں سے آتی ہے

(تخلیق)

ضیاءالمصطفیٰ تُرک

سکوت سے بھی سخن کو نکال لاتا ہُوا
یہ مَیں ہوں، لوحِ شکستہ سے لفظ اٹھاتا ہوا

مکاں کی تنگی و تاریکی بیش تر تھی سو مَیں
دیے جلاتا ہوا، آئنے بناتا ہوا

ترے غیاب کو موجود میں بدلتے ہوئے
کبھی مَیں خود کو ترے نام سے بُلاتا ہوا

چراغ جلتے ہی اک شہر منکشف مجھ پر
اور اس کے بعد وہی شہر ڈوب جاتا ہوا

بس ایک خواب کہ اُس قریۂ بدن سے ہنوز
نواحِ دل تلک اک راستہ سا آتا ہوا

(بیاض)

طارق ہاشمی

مجھ کو یہ زندگی نہ راس آئی
غم تو غم ہیں خوشی نہ راس آئی

لوگ ڈرتے رہے فریبوں سے
اور مجھے سادگی نہ راس آئی

کام جو بھی کیا نہ راس آیا
بات جو بھی کہی نہ راس آئی

آدمی میں بھی ہوں مگر مجھ کو
فطرتِ آدمی نہ راس آئی

چارہ گر کا کوئی قصور نہیں
مجھ کو چارہ گری نہ راس آئی

اُن کی آنکھوں سے جو چھلکتی ہے
میں نے وہ مے بھی پی نہ راس آئی

مجھ کو ہوش و خرد ملے ہی نہیں
اور دیوانگی نہ راس آئی

ربط ہے شاعری سے طارق کو
گو کبھی شاعری نہ راس آئی

(تخلیق)

طفیل عامر

خوشبو کے توسط سے مکاں بول رہا ہے
اب بات رہی اُس کی کہاں بول رہا ہے

حاسد تھے، وہ دشمن تھے، مگر غیر نہ تھے وہ
تھے بھائی وہ لوگو! یہ کنواں بول رہا ہے

ہیں شعلہ صفت معنی و الفاظ تو دیکھو!
ہے آگ لگی اُٹھتا دھواں بول رہا ہے

ناحق ہو جو خوں کب بھلا پوشیدہ رہا ہے
یاں قتل ہوا کوئی، نشاں بول رہا ہے

آ جائے وہ شاید کہ وہ شاید نہیں آئے
ٹوٹا ہے بھرم کب کا، گماں بول رہا ہے

جو تُو نے کہا مجھ سے وہ سب سُن لیا مَیں نے
اتنا تو بتا کس کی زباں بول رہا ہے

دھوکا بھی یہی آنکھیں تو کھا جاتی ہیں عامرؔ
آنکھوں کی ترازو میں زیاں بول رہا ہے

(تخلیق)

ظفر اقبال

کسی پیاس کی پاسبانی میں ہے
یہیں کوئی دریا روانی میں ہے

ضرورت بہت ہے یہاں، اور، اُدھر
توقف ابھی مہربانی میں ہے

وہ شرطیں سبھی اپنی منوا چکا
تو اب کس لیے سرگرانی میں ہے

کوئی دوسری بات ہے درمیاں
کسی اور ہی بدگمانی میں ہے

محبت میں ڈوبا ہوا ہوں تمام
یہ مچھلی شب و روز پانی میں ہے

جہاں وہ کھڑا ہے مرا منتظر
کوئی موڑ ایسا کہانی میں ہے

بچا تھا اگر رایگانی سے کچھ
تو سب وہ بھی اب رایگانی میں ہے

بہت ذائقے ہیں زبان کے، مگر
مزہ اور ہی بے زبانی میں ہے

ہواؤں کو روکے ہوئے ہے ظفر
سو کب سے اسی بادبانی میں ہے

(الحمرا)

عابدودود

میں روشنی ہوں دہر میں برجستہ کر مجھے
اے زندگی کی رات زِ خود رفتہ کر مجھے

ورنہ یہ قید و بند و قفس ٹوٹتے نہ جائیں
صیّاد وقت اب بھی ہے پَر بستہ کر مجھے

اے رہروانِ شوق زمیں تنگ پڑ نہ جائے
فرہاد کے قبیلے سے وابستہ کر مجھے

جس پر صبا بھی سوچ کے اپنے قدم دھرے
ایسی کلی و سبزۂ نورستہ کر مجھے

محرومِ التفات ہو کوئی نہ بزم میں
ایسے اصول و لطف سے شائستہ کر مجھے

عابدؔ میرا قلم نہ اسیری کرے قبول
اے شوقِ نَے نواز تو تر دستہ کر مجھے

عائشہ مسعود

گلاب رنگ ہے اس کا جمال بیش نہ کم
کہاں ملی ہے کسی کو مثال بیش نہ کم

بہت دنوں سے ہے دل کا عجیب سا موسم
بہت دنوں سے ہے اس کا خیال بیش نہ کم

کھلا ہے آنکھوں پہ منظر نہ دل میں ہی شب بھر
ملا ہے یوں بھی کسی کا وصال بیش نہ کم

نہ اب خیالِ مسرت نہ ہی ملال رہا
خود اپنی شکل میں ہم تھے بحال بیش نہ کم

جو کر رہا ہے زمانہ شکایتیں ہم سے
وہی ہے تو بھی اسیرِ سوال بیش نہ کم

کسی کے ہاتھ سے تزئین پا رہے تھے گلاب
کسی کے لمس کا ہے یہ کمال بیش نہ کم

(نیرنگِ خیال)

عباس تابش

ایک ہی شخص کا ہونے کی ریاضت کی جائے
ہو گئی ہے تو محبت پہ قناعت کی جائے

ہم درختوں کو اجازت ہی نہیں جانے کی
ورنہ حالات تو ایسے ہیں کہ ہجرت کی جائے

تیرے معیار پہ پورا تو اُتر سکتا ہوں
پھر بھی اے دوست! مرے ساتھ رعایت کی جائے

اس جگہ دخل نہیں زود فراموشی کو
مری تدفین سرِ کوئے ملامت کی جائے

حالتِ حال میں ہوتے ہیں بزرگوں کی طرح
صبح دم اُٹھ کے درختوں کی زیارت کی جائے

ہم پہ الزام تراشے گئے اتنے تابش
کس پہ خاموش رہیں کس کی وضاحت کی جائے

(حرف)

عرفان صادق

سادگی اور عجز کی مہکار میں رہتے ہوئے
بجھ رہا ہوں ایک ہی کردار میں رہتے ہوئے

کس قدر رنگوں کی بارش میں نہاتا ہے شجر
پنچھیوں کی دِلربا چہکار میں رہتے ہوئے

ایسے لگتا ہے کہ سایہ بھی گنوا آیا ہوں میں
اک مسلسل سایۂ دیوار میں رہتے ہوئے

اب سمجھ لیتے ہیں ہم بھی سبز پتوں کی زباں
لمحہ لمحہ حلقۂ اشجار میں رہتے ہوئے

یہ مرے اللہ کا مجھ پر کرم کم تو نہیں
جیت جاتا ہوں ہمیشہ ہار میں رہتے ہوئے

آج تک سمجھا نہیں عرفان میں اس کا مزاج
عمر سے اس شہرِ پُراسرار میں رہتے ہوئے

(بیاض)

عزیز اعجاز

جو سنگِ میل تھیں، اُن منزلوں کو بھول جاتے ہیں
گزر آتے ہیں جب ہم، راستوں کو بھول جاتے ہیں

سکھاتا ہے زمانہ ہر قدم پر اک سبق ہم کو
مگر ہم اپنے تجربوں کو بھول جاتے ہیں

جب آ کر ڈال دیں اک اور بندرگاہ پر لنگر
تو لوگ اکثر پرانے ساحلوں کو بھول جاتے ہیں

ہمیں الجھائے رکھتا ہے زمانہ اپنی چالوں میں
تمہارے پاس آ کر الجھنوں کو بھول جاتے ہیں

کسی کی زلف کے سائے میں جن کو نیند آ جائے
بہت جاگے ہوئے ہوں رتجگوں کو بھول جاتے ہیں

پذیرائی کو فرشِ راہ ہوں جب ہر طرف آنکھیں
کئی چہرے شکستہ آئینوں کو بھول جاتے ہیں

کسی مشروب کے دو چار کڑوے گھونٹ جو پی لیں
وہ کیوں چشموں کے میٹھے پانیوں کو بھول جاتے ہیں

نئی رُت جب ہمارے آنگنوں میں رقص کرتی ہے
تو کیوں اعجاز ہم گزری رتوں کو بھول جاتے ہیں

(فنون)

عظیم حیدر سید

سفر میں ایک نیا سلسلہ بناتے ہوئے
ہمارے پاؤں کٹے راستا بناتے ہوئے

کسی طرف سے کوئی سنگ آ بھی سکتا ہے
یہ پہلے سوچنا تھا آئنہ بناتے ہوئے

ترے بدن پہ کوئی زخم کیسے آ جاتا
تجھے تو یاد رکھا تھا دعا بناتے ہوئے

اب اپنا جسم بھی کانٹوں سے سینا پڑتا ہے
کبھی گلاب چُنے تھے قبا بناتے ہوئے

میں کیا اُڑوں کہ مرے ساتھ اُڑنے والے سب
شجر میں قید ہوئے گھونسلا بناتے ہوئے

یہاں کے لوگ تو عریاں سے ہو گئے ہیں عظیم
پرانے جسموں کو پھر سے نیا بناتے ہوئے

(بیاض)

علی زریون

دیوار سے کلام کیا اور چل پڑے
ہمسائیگی میں نام کیا اور چل پڑے

جنت بدست راہ میں آئے تھے واعظاں
ہم نے انھیں سلام کیا اور چل پڑے

اک غم تھا جس نے روک رکھا تھا وجود میں
اُس غم کا انہدام کیا اور چل پڑے

دعوت تھی دشتِ نجد سے اک ہم مزاج کی
مجنوں کے ہاں قیام کیا اور چل پڑے

ہر جسم، جس میں ''ہونے'' کا شر تھا، فنا کیا
اپنا بھی انہدام کیا اور چل پڑے

(پہچان)

علی یاسر

منتظر چشمِ دو عالم ہے کہ لمحہ بھر کھلے
دیکھنے کی تاب ہو تو وہ رخِ انور کھلے

نعمتِ حیرت گنوا کر زندگی بے کار ہے
اپنی خواہش ہی نہیں ہے آنکھ پر منظر کھلے

جس طرف جی چاہتا ہے اس طرف جاتا ہوں میں
میری آوارہ مزاجی کو ہیں بحر و بر کھلے

رشک ہے اُس پر صدف کو آنکھ میں رہتا ہے وہ
اہلِ دل ہو جوہری تو جوہرِ گوہر کھلے

شب سجائے رکھتی ہے اُس کے لیے آغوشِ حُسن
خواب میں آئے نہ ہم پر وہ پری پیکر کھلے

کام لیتا ہے جراحت کا نگاہِ نرم سے
کھلتے کھلتے ہم پہ سب اطوارِ چارہ گر کھلے

مہرِ تاباں اس کی تابانی سے جل جائے علیؔ
میری پیشانی کو چھو کر قسمتِ نیّر کھلے

(قرطاس)

عین سلام

تیرے حُسنِ عمل نے سمجھائی
مجھ کو یہ بات، کیا ہے دانائی
دل کہ راضی رضائے دوست پہ ہے
یہ کچھ اپنا بھی ہے تمنائی
غمِ دنیا میں سُرخُرو ہیں بہت
دل گرفتہ ترے یہ سودائی
اس طلسمِ گماں کی محفل میں
داستاں ہے حقیقت آرائی
کیا کہیں اس تضادِ عالم کو
سائے پھیلے جو روشنی آئی
وہ بھی تنہا بہت ہے، کہتے ہیں
جس نے بخشی ہے مجھ کو تنہائی
حدِّ صحرا تک آ گیا آخر
دل کو تھا شوقِ جادہ پیمائی
شرم آتی ہے اب وفا سے سلام
عاشقی ہو گئی ہے رسوائی

(بیاض)

ڈاکٹر فرحت عباس

پتھر بنے ہوئے ہیں وہ اب راہ گزار کے
کھلتے تھے جن کے نام سے در شہر یار کے

دنیا مسرتوں کی رفاقت کا نام ہے
دکھ بانٹتا ہے کون کسی سوگوار کے

کیا میں ترے بدن کی ضرورت نہیں رہا
ہیں جاں گسل یہ لمحے عجب انتظار کے

وہ دل سے دُور ہو کے بھی دل کے قریب ہے
لوٹے گی پھر صدا بھی جو آئے پکار کے

اُجڑی ہے جن کے واسطے میری تمام عمر
میری نظر کی رو سے کرشمے بہار کے

آئے جو اس کا دھیان چٹخنے لگے بدن
فرحتؔ عجیب رنگ ہیں دنیا میں پیار کے

فرخ راجا

میں کیوں کہوں کہ وہ جابر خدا کی حد تک ہے
جب اُس سے نسبتِ خاطر وفا کی حد تک ہے

مشاہدات کی دنیا ہے کس قدر محدود!
جو دیکھنا ہے وہ ارض و سما کی حد تک ہے

یقین ہے کہ وہ آنکھیں نہ پڑھ سکیں مجھ کو
یہ وہم تو دلِ حرف آشنا کی حد تک ہے

میں چاہتا ہوں کہ ہو اُس کی انتہا معلوم
اگرچہ ربط ابھی ابتدا کی حد تک ہے

کہاں ملے گی ہمیں منزلِ مراد ابھی
رسائی ہے تو فقط نقشِ پا کی حد تک ہے

وہ اپنی ذات سے نکلے تو ہو کچھ اندازہ
وجود جس کا فصیلِ اَنا کی حد تک ہے

ہر ایک لمحۂ موجود کا کمال ہے یہ
کہ اُس کے حُسن کا جلوہ فنا کی حد تک ہے

وہ پاس ہو تو کہاں ہوش آئے گا فرؔخ
کہ جس کی یاد کا نشہ بَلا کی حد تک ہے

فضل اکبر کمال

نہ گل کوئی نہ گلستان کھینچتا ہے مجھے
یہ کس طرف غم دوران کھینچتا ہے مجھے

مرے خمیر میں کیا چیز ہے خدا جانے
جہاں کہیں بھی ہو بحران کھینچتا ہے مجھے

میں جس طرح کوئی گر زندگی کا جانتا ہوں
ہر ایک سوختہ سامان کھینچتا ہے مجھے

ادھر اُدھر کوئی پہلے سے ہوتا ہے موجود
جدھر جدھر دل نادان کھینچتا ہے مجھے

صبا بلاتی ہے سوئے چمن مجھے جب بھی
تو شوق سوئے بیابان کھینچتا ہے مجھے

تماشا گاہ بنا لیتا ہوں خزاں کو بھی میں
کبھی مری کبھی کاغان کھینچتا ہے مجھے

عدو سے دست و گریباں یونہی نہیں ہوں کمالؔ
کوئی تو فتح کا امکان کھینچتا ہے مجھے

(شعروسخن)

فیصل عجمی

جسم سے آئی کہ جاں سے آئی
موت کی چاپ کہاں سے آئی

سارے دروازے کھُلے دستک سے
معذرت ایک مکاں سے آئی

دھوپ ٹھہرے گی شجر میں کب تک
لوٹ جائے گی جہاں سے آئی

لوگ بیزار ہیں دیواروں سے
یہ خبر در بدراں سے آئی

سو کے اٹھے تو تر و تازہ تھے
سر خوشی خوابِ گراں سے آئی

کیا چراغوں نے اُسے دیکھا تھا
روشنی ان میں کہاں سے آئی

(الحمرا)

قمر رضا شہزاد

تری آمد مری رونق کا بہانہ ہوئی ہے
بڑی مشکل سے یہ تنہائی روانہ ہوئی ہے

ہر طرف میرے خدوخال نظر آتے ہیں
یہ مری قبر مجھے آئنہ ہوئی ہے

میں اُسے بانٹتا پھرتا ہوں دعاؤں کی طرح
یہ محبت تو مجھے ایک خزانہ ہوئی ہے

یہی دنیا جسے میں راہ میں پھینک آیا تھا
کیا عجب ہے مرے یاروں کا ٹھکانہ ہوئی ہے

جس محبت نے بچائے تھے مرے شہر کے لوگ
دکھ تو یہ کہ وہی پہلا نشانہ ہوئی ہے

(سمبل)

قیصر نجفی

نیزے کی انی پر تھے ضیا بار سے ہم بھی
گزرے تھے کبھی شام کے بازار سے ہم بھی

تھا رختِ سفر اپنا بھی اک طوق گراں بار
چلنے سے بہرگام تھے لاچار سے ہم بھی

طے کی تھی کڑی دھوپ میں ہر ایک مسافت
محروم رہے سایۂ دیوار سے ہم بھی

اس شہر میں تھا داخلہ ممنوع ہمارا
آئے تھے کسی قریۂ بیمار سے ہم بھی

چلتے رہے تا عمر جھکائے ہوئے سر کو
واقف تھے کہاں قافلہ سالار سے ہم بھی

لکنت سی یہ حالات نے ڈالی ہے زباں میں
سر کرتے تھے قلعے کبھی گفتار سے ہم بھی

قیصؔر یہ جلا دیتا ہے ہر طرّۂ پندار
ڈرتے ہیں ترے حرف شرر بار سے ہم بھی

(الحمرا)

قیوم طاہر

تھے بہت ارض و سماں آراستہ
پر الگ سا میں ہوا آراستہ
جب اچانک یاد فرمایا گیا
کون تھا میرے سوا آراستہ
جھلملاتی لَو سلامت ہجر کی
غرفۂ جاں کو رکھا آراستہ
زندگی اب تھام دستِ مرگ کو
رقص گہہ کو کر دیا آراستہ
میں خزاں کو اوڑھ کر بیٹھا رہا
باغ سارا جب ہوا آراستہ
خوشبوئے دل موج میں آئی ہوئی
ہو گئی ساری فضا آراستہ
رنگ میرا گھل گیا تھا روپ میں
وہ ہوئی تھی اس طرح آراستہ
جس طرح تو نے سنوارا تھا مجھے
یوں کیا کب دوسرا آراستہ
کتنے بے ترتیب تھے اوراقِ عمر
کر گئی جاتی ہوا آراستہ
میرے بچے ہوں سلامت اے خدا
لب پہ ہے حرفِ دعا آراستہ

(سیپ)

کرنل سید مقبول حسین

سب میں شامل تھا مگر سب سے جدا لے آئی
اس جگہ مجھ کو مری ماں کی دعا لے آئی

ورنہ ممکن تھا کہاں شہر میں آنا تیرے
یہ تو پتوں کی طرح مجھ کو ہوا لے آئی

کل اسی شخص کے پڑھتے ہیں قصیدے سب نے
دار پر آج جسے خلقِ خدا لے آئی

مجھ کو چاہت تھی ترے وصل کی لیکن جاناں
ہجر تک یوں ہی مجھے تیری جفا لے آئی

میں کسی اور جگہ گھر سے چلا تھا مقبولؔ
اس گلی میں تیری خوشبوئے حنا لے آئی

(نیرنگِ خیال)

گلزار بخاری

کسی طاق و بام سے ربط ہے نہ فصیل و در کے چراغ ہیں
ہمیں تو بجھا کہ جلائے رکھ تری رہ گزر کے چراغ ہیں

کئی اضطراب ہیں تاک میں کہیں مل ہی جائیں نہ خاک میں
انہیں مت گنوا کہ یہ اشک ہی تری چشم تر کے چراغ ہیں

نہیں ماہتاب کہ بھا سکیں ترے انتخاب میں آ سکیں
ہمیں کون لائے شمار میں کہ ہے علم گھر کے چراغ ہیں

کوئی روشنی کا سفیر ہے کوئی تیرگی کا اسیر ہے
جنہیں آپ کہتے ہیں آدمی وہی خیر و شر کے چراغ ہیں

یہاں اس قدر ہیں تضاد کیوں نہیں سب کے پاس مراد کیوں
کہیں اک دیے کی بھی لو نہیں کہیں شہر بھر کے چراغ ہیں

انہیں قدردان اگر ملے شبِ آرزو کی سحر ملے
یہ جو شام سے ہیں بجھے ہوئے کسی بے خبر کے چراغ ہیں

(سیپ)

لیاقت علی عاصم

پھر وہی بے دلی پھر وہی معذرت
بس بہت ہو چکا، زندگی معذرت

خود کلامی سے بھی روٹھ جاتی ہے تُو
اب نہ بولوں گا اے خامشی معذرت

دھوپ ڈھل بھی چکی سائے اٹھ بھی چکے
اب مرے یار کس بات کی معذرت

داد بیداد میں دل نہیں لگ رہا
دوستو شکریہ، شاعری معذرت

بے خودی میں خدائی کا دعویٰ کیا
اے خدا درگزر، اے خودی معذرت

تجھ سے گزری ہوئی زندگی مانگ لی
ربِ امروز و فردا و دی، معذرت

اک نظر اس نے دیکھا ہے عاصمؔ چلو
دور ہی سے سہی ہو چکی معذرت

(تسطیر)

محمد اظہار الحق

ہر سمت ہے گہرا سناٹا یہاں کوئی نہیں
میں تہ خانے بھی جھانک آیا یہاں کوئی نہیں

یہاں نوبت بجتی تھی یہاں ہاتھی جھومتے تھے
دل ہے اب اُجڑا دروازہ یہاں کوئی نہیں

تم تھکے ہوئے تو ہو لیکن اک بات سنو
یہاں رات مسافر مت رکنا یہاں کوئی نہیں

یہاں کوئی نہیں کیوں تارے خود کو جلاتے ہیں
کوئی پوچھو چاند سے کیوں نکلا یہاں کوئی نہیں

یہاں آدھی رات تھی میں نے جب پوچھا کوئی ہے
کوئی گھور اندھیرے میں چیخا یہاں کوئی نہیں

کیوں دن ڈھلنے پر کھاٹ نکالی آنگن میں
کیوں آنکھوں سے پانی چھڑکا یہاں کوئی نہیں

کیوں پھول انار کا آنکھیں مَل مَل روتا ہے
کیوں مہکا بوٹا تلسی کا یہاں کوئی نہیں

کیوں گیلی ریت نے حبس میں ٹھنڈی سانس بھری
کیوں گھڑے نے پانی چھلکایا یہاں کوئی نہیں

کیوں پکی ہوئی گندم نے بالی لہرائی
کیوں چلی موافق ہوا کے ہَوا یہاں کوئی نہیں

کیوں کٹی ہوئی سرسوں نے مرا چہرہ چوما
کیا کوئی نہیں یہاں میرے سوا یہاں کوئی نہیں

سب بھرے ہیں مال اسباب سے کوٹھے، چوبارے
سنسان مگر قریہ سارا یہاں کوئی نہیں

کل تک تو سب آباد تھے شاد تھے بستی میں
جو کچھ بھی ہوا ہے آج ہوا یہاں کوئی نہیں

میزوں پر کھانے چُنے ہیں کرسیاں خالی ہیں
کیا جانیے اتری کیسی بلا یہاں کوئی نہیں

(سمبل)

محمد حنیف

لے کے ہاتھوں میں وہ زنبیلِ دعا بیٹھتا ہے
ایک درویش جو بازار میں آ بیٹھتا ہے
مسئلہ کیا ہے سمجھ میں نہیں آتا کچھ بھی
میں جدا بیٹھتا ہوں یار جدا بیٹھتا ہے
اس لیے بیٹھتا ہوں روز میں تیاری کے ساتھ
وہ کسی وقت اچانک ہی بلا بیٹھتا ہے
تو نے کیا روگ لگا رکھا ہے دل کو اپنے
جس جگہ بیٹھتا ہے، کھویا ہوا بیٹھتا ہے
شام کے وقت اداسی کو بڑھانے کے لیے
اک پرندہ مری دیوار پہ آ بیٹھتا ہے
مشکلیں شوق کو دیتی ہیں ہوائیں کچھ اور
تو یہ ہر بات پہ کیوں رنگ اڑا بیٹھتا ہے
لوگ تو دیکھ کے رکھتے ہیں نشست و برخاست
صرف اک تو ہے کہ ہر ایک جگہ بیٹھتا ہے
میرا بیٹا بھی عجب ہے کہ لڑائی کے لیے
کسی کونے میں کہیں روٹھ کے جا بیٹھتا ہے
تنگ کرتا ہے کئی دن سے مسلسل مجھ کو
بار بار آ کے مرے سر پہ ہما بیٹھتا ہے

(حرف)

محمد سفیان صفی

اس درجہ غزل پر مرا ایمان بہت ہے
میں وہ ہوں جسے میر کا دیوان بہت ہے

مت دیکھ پئے قتل کسی اور کی جانب
اے درپئے آزار مری جان بہت ہے

دنیا سے تعارف کی ضرورت نہیں کوئی
ہوں سامنے تیرے یہی پہچان بہت ہے

مشکل ہے بہت تیرے اسیروں کی رہائی
شانوں پر ترے زلفِ پریشان بہت ہے

پل بھر میں بدل سکتا ہے وہ قسمتِ آدم
ہو جائے میسر تو اک انسان بہت ہے

کیوں ناز اٹھائے شبِ غم اور کسی کے
پلکوں پہ یہ ٹھہرا ہوا مہمان بہت ہے

(روزنامہ: آج)

محمد سلیم طاہر

گریہ و فریاد سے پہلو نہیں بچتا
رونے کے لیے آنکھ میں آنسو نہیں بچتا

گر اُس کو لگا لیتا ہوں میں اپنے گلے سے
پھر اپنی حفاظت کو بھی بازو نہیں بچتا

تم کس کے اندھیروں میں جلا آتے ہو آنکھیں
جو میرے لیے ایک بھی جگنو نہیں بچتا

احساسِ محبت سے سلگ اٹھتی ہیں سانسیں
دامن کو بچاتا ہوں تو پہلو نہیں بچتا

یہ قریۂ حیرت ہے قدم پھونک کے رکھنا
سر چڑھ کے اگر بولے تو جادو نہیں بچتا

میں اپنی محبت کو اگر پلڑے میں رکھ دوں
ایمان تو بچتا ہے، ترازو نہیں بچتا

(بیاض)

محمد یٰسین بھٹی

غم کا اک بازار ہے دنیا
کہنے کو گلزار ہے دنیا
جس کا میت نہیں ہے کوئی
اُس کی پھر بے کار ہے دنیا
خون بھی پانی پانی ہے
رشتوں سے بے زار ہے دنیا
مطلب پائے چلتی جائے
ویسے تو غم خوار ہے دنیا
پشت پہ کیا کیا وار کرے ہے
منہ پر، سچی یار ہے دنیا
داؤ پر ہیں داؤ اس کے
جیت میں جیسے ہار ہے دنیا
چوغہ اس کا درویشی ہے
اندر سے زردار ہے دنیا
کہتا ہے یٰسین تمہارا
چاہت کا بیوپار ہے دنیا

(بیاض)

محمود شام

کیا یونہی پاس سے گزر جائیں
تم کو دیکھے بنا بکھر جائیں

اب غزل کہہ رہی ہیں غزلیں بھی
ہم غزل گو بتا کدھر جائیں

اپنی اپنی چھتوں پہ نکلیں چاند
کھڑکیاں عاشقوں سے بھر جائیں

جی میں ٹھانیں تو اُلجھنیں سلجھیں
زُلف کے بل بھی خود سنور جائیں

ماں ممتا، خوشبوئیں، سکوں ہے جہاں
اے ہوا! آج چل ادھر جائیں

تیری رحمت ہو شاہراہوں پر
کام سے لوگ جب بھی گھر جائیں

زندگی دسترس میں ہے کچھ کی
بن جیے ہی غریب مر جائیں

آسماں مت ہمارے حال پہ رو
پھر نہ دریا کہیں بپھر جائیں

کتنی سونی ہیں آپ کی آنکھیں
ایک دو رات ہم ٹھہر جائیں

سہمے گھر بار کانپتی گلیاں
سائرن کی فغاں سے ڈر جائیں

جنتیں ڈھونڈتے بہت بھٹکے
اب زمیں پر کہیں اتر جائیں

(تخلیق)

مرتضیٰ برلاس

کون معصوم ہے، پُرخطا کون ہے، اجنبی کون ہے، آشنا کون ہے
قتلِ انبوہ جب ہو رہا ہو کہیں، قتل کو کیا دیکھتا کون ہے

ہر کوئی یہ دلاتا ہے ہم کو یقیں، وہ تو گلشن کی رونق کا دشمن نہیں
پھر یہ گل دان گھر گھر سجے کس طرح، پھول کو شاخ سے توڑتا کون ہے

ہمسفر تو بظاہر تھے سب پارسا، پھر بھی ہر موڑ پر لُٹ گیا قافلہ
اب جو شک بھی کریں تو ہم کس پر کریں، راہزن کون تھا رہنما کون ہے

نشۂ حال میں جو ہے ڈوبا ہوا، اس کو کیا خوف ہوگا مکافات کا
فکرِ عقبیٰ بہت دُور کی بات ہے، کل کے بارے میں بھی سوچتا کون ہے

تیر جاتا ہے پتھر کا دل چیر کر، مسند و تخت کی اوٹ کیا چیز ہے
ہو اگر تیر پر نام لکھا ہوا، وقت کی مشت سے بچ سکا کون ہے

رات دن اتنی شدت سے جو محتسب عیب جوئی میں اوروں کی ہے منہمک
پہلے اپنے گریباں میں جھانکے ذرا، پھر بتائے یہاں پارسا کون ہے

یہ جو محفل میں ہیں آج حلقہ نشیں، یا تو بے حس ہیں یا مصلحت کوش ہیں
جو ترے سامنے کلمۂ حق کہے، اب ہماری طرح سر پھرا کون ہے

(سیپ)

مسعود احمد

پلے بڑھے ہیں مسائل کی ریل پیل میں ہم
تبھی تو ہارے نہیں زندگی کے کھیل میں ہم

بری طرح سے ملوث ہیں سر سے پاؤں تک
زمیں پہ پہلی محبت کی داغ بیل میں ہم

کھلی فضاؤں میں بھی قید سی صعوبت ہے
پڑے ہوئے ہیں ابھی تک تمہاری جیل میں ہم

یہ سرخ کوفہ و بغداد کب سے پوچھتے ہیں
کریں گے کتنی ملاوٹ لہو کی تیل میں ہم

تمہارے ہجر کے شانہ بشانہ چلتے رہے
تمہارے وصل سے بھیگی ہوئی تریل میں ہم

ہمیں تو پشتوں سے مسعودؔ اس کی عادت ہے
ذرا برے نہیں لگتے اب اس نکیل میں ہم

(حرف)

ناصر زیدی

حاجت بھی اگرچہ تھی، نہیں کی
دریوزہ گری، کبھی نہیں کی

تھا ہمدم و ہم خیال مرا
کل جس نے بات بھی نہیں کی

جو چاہے سمجھ لے اُس کی مرضی
میں نے تو بے رُخی نہیں کی

بس یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں
تھی بات جو لازمی، نہیں کی

تھا حرمتِ عشق کا تقاضا
دل دے کے بھی دل لگی نہیں کی

نا کردہ گناہ پر بھی ہم نے
توبہ، فقط سرسری نہیں کی

مسلک مرا دوستی ہے ناصرؔ!
دشمن سے بھی دشمنی نہیں کی

(الحمرا)

ناصر علی سید

بلا کی دھوپ ہے شاید نہ تاب لائے ہوا
چلے گی دیکھنا ڈر ڈر کے سائے سائے ہوا

عجیب موسمِ جاں ہے کہ دھڑکنیں رو دیں
زوال لمحوں کی رگ رگ میں سرسرائے ہوا

بہت ہی کھلتی سی رنگت کے شام لمحوں کو
نظر یہ کس کی لگی ہے کہ خوں اڑائے ہوا

ذرا سی دیر کو رکتی تو پوچھ بھی لیتا
لگا کے آگ تو بس بھاگتی ہی جائے ہوا

یہ خشک آنکھوں میں دریا کہاں سے آیا ہے
یہ کون آگ کو دل کی دکھائے جائے ہوا

مکانِ دل میں گھٹن ہے کہ بڑھتی جاتی ہے
دریچے سینے کے کھولو کہ آئے جائے ہوا

یہ کیسی وادیِ نفرت میں قافلہ اترا
کہ شمعیں پیار کی پل پل بجھاتی جائے ہوا

(سرخاب)

ڈاکٹر نثار ترابی

زندگی کارواں کا حصہ ہے
ہجر کی داستاں کا حصہ ہے

شکل بھی تو ہے عکس کی باندی
نقش بھی تو نشاں کا حصہ ہے

اپنا اپنا مقام ہوتا ہے
ذرّہ ذرّہ جہاں کا حصہ ہے

کس لیے مہرباں نہیں ہوتی
کیا زمیں آسماں کا حصہ ہے

کیا ضروری ہیں اتنی تاویلیں
جو جہاں ہے وہاں کا حصہ ہے

پوچھتے پھر رہے ہیں لوگوں سے
کیا اذیت مکاں کا حصہ ہے

پھر تو ساحل پہ آ لگے کشتی
گر ہوا بادباں کا حصہ ہے

(سیپ)

نجیب احمد

بچا نہ تیر نہ کوئی کمان باقی ہے
زمیں پہ صرف لہو کا نشان باقی ہے

بھڑک نہ پائے تھے شعلے کہ مینہ برسنے لگا
جلا جلا ہی سہی بادبان باقی ہے

نڈھال گرد نقاہت سے رہرد غم ہیں
سفر تو کٹ گیا لیکن تکان باقی ہے

جمالِ غم کا سبھاؤ قیاس پر ہے محیط
یقین اُٹھ گیا دل سے، گمان باقی ہے

ہر ایک ربط کی لَو کو بجھا دیا ہے اگر
تو کیوں یہ لگتا ہے؟ کچھ درمیان باقی ہے

اٹھا تو میں نے لیے ہیں گرے ہوئے آنسو
مگر زمین پر اُن کا نشان باقی ہے

چراغِ عشق نہ شمعِ وفا نہ حُسن کی لَو
نجیب شہر میں اک داستان باقی ہے

(بیاض)

نداعلی

پھیلی تھی جو مہک تری اک بار دشت میں
پھر عمر بھر پھرے ترے بیمار دشت میں
آرزدگی وجود میں ڈھلتی رہی ہے یوں
جیسے اتر رہی ہو شبِ تار دشت میں
ان ؟؟؟؟ کے دروغ لوگوں کے خوف سے
اک گھر ؟؟؟ ہے بے در و دیوار دشت میں
گلشن میں اُس نے کتنے اجالوں کو ڈس لیا
وہ صبح جو ہوئی ہے نمودار دشت میں
کٹتا نہیں ہے اب تو کڑی دھوپ کا سفر
جلنے لگے ہیں برگ و ثمر بار دشت میں
جو سرخ رُو ہوئے مرے تلووں کو چوم کر
پائے ہیں مَیں نے ایسے بھی کچھ خار دشت میں
کندہ ہے مرا نام ہر اک سنگِ میل پر
مَیں دیکھتی ہوں خود کو سرِدار دشت میں
رستے ہیں میری آبلہ پائی کے معترف
میرے لہو سے سرخ ہے ہر خار دشت میں
اس آرزو میں راہ کے پتھر چنے ندؔا
لے آئے ان کو بھی کوئی آزار دشت میں

(تعمیرِ ادب)

ندیم ہاشمی

نشۂ انتظار کیسا ہے
اے مرے دل قرار کیسا ہے

مجھ کو اتنا بتا دے شامِ عدم
وہ مرا دل فگار کیسا ہے

رونقِ بزمِ جاں ہے کس جانب
دیدۂ اشک بار کیسا ہے

منزلِ شوق کچھ بتاؤ بھی
راستوں کا غبار کیسا ہے

خوشبوؤں کو خبر نہیں یارو
وہ گلِ مُشک بار کیسا ہے

(نیرنگِ خیال)

نسیم عباسی

میں ایسا ذوقِ زیبائش بروئے کار لے آیا
کہ خود آرائی کی خاطر لباسِ دار لے آیا

زمیں کی محوری گردش سے عمریں گھٹتی بڑھتی ہیں
گزرتا وقت سائے کو پسِ دیوار لے آیا

مگر مجھ کو یہ احساسِ ندامت مار ڈالے گا
پرائے پیڑ سے پھل توڑ کر دو چار لے آیا

یہ سارے لوگ اس کے حق میں رائے دینے والے ہیں
وہ اپنی ساری تصویریں سرِ بازار لے آیا

جہاں سے واپسی کا راستہ قسمت سے ملتا ہے
وہاں تک قافلے کو قافلہ سالار لے آیا

وراثت میں نسیمؔ اس سے بڑی جاگیر کیا ہوگی
میں دل کی دھڑکنوں میں اپنی ماں کا پیار لے آیا

خواب سے محروم آنکھیں میر کے دیوان میں گم ہو گئیں
شعر پڑھ کر میؔر کے پھر جانے کس دھیان میں گم ہو گئیں

کھو گیا وہ بھی بھری دنیا کے جنگل میں، کہیں ملتا نہیں
اس کی یادیں بھی مرے اندر بپا بحران میں گم ہو گئیں

پانیوں کے سب سفر محفوظ تھے، اب کے برس خطرہ نہ تھا
کشتیاں اس مرتبہ خود اپنے ہی طوفان میں گم ہو گئیں

بادلوں نے ایک دو بوندیں عطا کی تھیں، مگر وہ بھی نہیں
پیاس سے جلتے سلگتے ایک ریگستان میں گم ہو گئیں

ذہن کے پردے پہ تصویریں بہت سی بن گئیں اک آن میں
اور پھر یہ ساری تصویریں فقط اک آن میں گم ہو گئیں

میں نے چاہا تھا کہ وہ کھڑکی سے کمرے میں بھی آ جاتیں مگر
سبز بیلیں تو وہیں باہر کہیں دالان میں گم ہو گئیں

دیر سے مَیں سن رہا تھا چھت پہ چڑیوں کے چہکنے کی صدا
پھر یکا یک ساری آوازیں ہی آتش دان میں گم ہو گئیں

بند الماری میں مَیں نے اُس کی جو چیزیں چھپائی تھیں نسیم
رفتہ رفتہ وہ بھی گھر کے دوسرے سامان میں گم ہو گئیں

(تخلیق)

نوید سروش

وہ جب مجھ سے بچھڑ کر جا رہا تھا
میں سوچوں کے سمندر میں گھرا تھا

یہاں ماضی میں آزادی کی خاطر
لہو اجداد کا میرے بہا تھا

کسی کا منتظر میں بھی رہا ہوں
مگر یہ امتحاں کتنا کڑا تھا

جہاں دلدل دکھائی دے رہی ہے
یہ پہلے کھیت اک پھولوں بھرا تھا

بھلا ہم کس طرح اُس پار جاتے
ہمارے درمیاں دریا کھڑا تھا

اب اُن گلیوں میں وحشت ناچتی ہے
میں جن گلیوں میں ہنستا کھیلتا تھا

سروشؔ اپنے لیے کچھ کر نہ پایا
مگر تیرے لیے سب سے لڑا تھا

(الحمرا)

واحد بشیر

بہ قدرِ حوصلہ بیداد کرنا
ہمیں آتا نہیں فریاد کرنا

ہماری سعیِ لاحاصل یہی ہے
ہر اک بنجر زمیں آباد کرنا

ہمارا خبط ہے بستی بسانا
اگر تم کر سکو برباد کرنا

ہمارا مشغلہ ہے شعر کہنا
تمناؤں سے دل آباد کرنا

بہت سے لفظ معنی کھو چکے ہیں
نئی طرزِ سخن ایجاد کرنا

یہ ممکن ہے مگر مشکل بہت ہے
کسی کو وہم سے آزاد کرنا

نئے حالات میں ممکن نہیں ہے
پرانی یاد سے دل شاد کرنا

(ارتقا)

ڈاکٹر وحید احمد

میانِ لالہ و گل سرخ رو علیحدہ ہے
ہجومِ سرو قداں میں بھی تو علیحدہ ہے

بہ بارگاہِ شہاں اور ہے لب و لہجہ
بزمِ نوحہ گراں گفتگو علیحدہ ہے

ہے دیدنی یہ دو آبہ، یہ گردشِ سیال
بدن میں زہر رواں ہے لہو علیحدہ ہے

ہماری اور طریقت ہے مے کشی کی میاں
ہمارا ساقی و جام و سبو علیحدہ ہے

لباسِ روح کو پیوند کرتے رہتے ہیں
وہ خستگی ہے رفو پر رفو علیحدہ ہے

جو تیغِ وقت سے رکھتا ہوں خون کا رشتہ
تو خاندان میں میرا لہو علیحدہ ہے

تجھے تلاش بھی کرتے ہیں، پوجتے بھی ہیں
کہ جستجو سے تری آرزو علیحدہ ہے

میں شش جہات میں چلتا ہوں اور وحید احمد
یہ کائنات مرے چار سو علیحدہ ہے

(شعر بخن)

وقاص عزیز

رہ گزاروں میں رکھ کے پال دیے
سوچ مت، طاق سے نکال دیے

یہ ہواؤں کی سلطنت تو نہیں
نظر آتے ہیں خال خال دیے

میں نے کاغذ پہ حرف کھینچے تھے
یک بیک جل اُٹھے خیال دیے

دن کی رعنائیوں کا خوف ہے رات
رات کے حُسن کا زوال دیے

دیکھیے اک نظر غزل کی طرف
حُسن کو میں نے خط و خال دیے

خامشی گھنگھروؤں کی قسمت تھی
ڈالتے کب تلک دھمال دیے

آنکھ کے پیڑ پر وقاص عزیزؔ
جھلملاتے ہیں ڈال ڈال دیے

(قرطاس)

ہارون الرشید

قسمت میں جو لکھا تھا وہ سارا گزر گیا
جیسے بھی وقت گزرا ہمارا گزر گیا

اب خواب دیکھنے کی نہ خواہش نہ عمر ہے
رکھتا تھا جو نہال نظارہ گزر گیا

بس دو گھڑی ہی رہ میں ملا تھا جو ٹوٹ کر
سر میرا پھر اُسی نے اتارا گزر گیا

دریائے عشق اب کہاں لے جائے گا ہمیں
دیکھا تھا ایک بار کنارہ گزر گیا

عہدِ فراق اس کا قیامت سے کم نہ تھا
کتنی مصیبتوں میں گزارہ گزر گیا

تاریک شب ہے اور ہے سفر کوئے یار کا
دور اک فلک پہ ہنستا تھا تارہ گزر گیا

(دنیائے ادب)

یاسمین حمید

کچھ نہیں ہے نامۂ تخلیق میں، کچھ بھی نہیں
ایک چپ میں گھِر گئے سب، کیا محبت کا یقیں

یوں ہوا پھر ایک دن بس ہاتھ اُن کے جھڑ گئے
گھر کی دیواروں کو تھامے رہ گئے گھر کے مکیں

ان کو میرے دل کی مضبوطی پہ رشک آتا تو ہے
جب فضا میں ڈولتے ہیں چاند، سورج اور زمیں

کیا تعلق طے ہوا ہے اصل اور خواہش کے بیچ
کیوں زبانوں پر کوئی شکوہ نہیں حاجت نہیں

سنتے ہیں اس بات کا اب فیصلہ ہونے کو ہے
کس کے سنگِ ضبط سے روشن ہوئی کس کی جبیں

جھوٹ بولیں سچ کہیں اپنی زباں ہے اپنا ذہن
کون جانے کس نے دیکھا دل میں کیا ہے کیا نہیں

جسم سارے گل چکے تھے ہم سے جب پوچھا گیا
کس کی باتیں دل ربا تھیں کس کا چہرہ دل نشیں

میرا تھن

مجھے لگتا ہے
میں متروک سے نورائجہ تک کے
سفر میں ہوں
کلیشے بولتا ہوں
تو

مری آواز میں کانٹا رڑکتا ہے
مری گفتار کے حلقوم میں
تکرار کی گٹھلی اٹکتی ہے
چبائی بات دوبارا چبانے کا
مجھے یارا نہیں ہے
سچ کے سہلِ ممتنع میں بات کرتا ہوں
یہ میری سانس
وسطِ بحر میں ڈبکی لگا کر
تیرنے کا حوصلہ رکھتی ہے
اُتھلے پانیوں میں ٹوٹ جاتی ہے
میں چھوٹے فاصلے کی دوڑ کا ہارا ہوا،

رومان کا مارا ہوا، اک خواب کی مہمیز پر
وقتوں کی میراتھن میں شامل ہوں
میں جیتوں یا نہ جیتوں
نسل بعدِ نسل کی بدلی ہوئی سانسوں میں
تازہ دم ہوں
اپنے غم کا محرم ہوں

(اجرا)

ڈاکٹر احسان اکبر

آزادی

شہرِ لامکاں سے ہوں
جس میں اک مکاں میرا
خواب سے ابھرتا ہے
دودھیا سویرا سا
دھیان میں نکھرتا ہے
جو حدوں سے عاری ہے
انتہا نہیں رکھتا
چوکھٹیں، دریچے، در
کیا گمان میں آئیں
(صحن، آنگن اور دیوار کا خیال ہی بے کار)

چار سمت کی دیوار
چاہے کتنی پھیلی ہو
آپ کا احاطہ ہے
آپ کا گھیراؤ
کیوں گرفت میں آؤں
کیوں مجھے کوئی گھیرے
صرف ایک خواہش ہے
بے حدود آزادی

(تسطیر)

ارشد معراج

محبت کا کہاں پرانت ہوتا ہے

کبھی ترکِ تعلق سے محبت مر نہیں جاتی
خرابے اس کی وحشت سے آباد رہتے ہیں
جنوں کی انتہا کب ہے......؟
کبھی سورج بھی ڈوبا ہے......؟
سمندر کا کہیں پرانت ہوتا ہے......؟
کبھی تارے مدارِ وقت سے آگے نکلتے ہیں......؟
پتنگے آگ میں جلنے سے ڈرتے ہیں......؟

ازل سے تا ابد یہ اِک تسلسل ہے
زمینوں اور زمانوں سے کہیں آگے
تمہارے اور میرے جسم و جاں کی
داستانوں سے کہیں آگے......!

(تسطیر)

ڈاکٹر اسلم انصاری

کیا ضمیروں میں چھپی تھی یہ تمنائے وصال؟

کیا ضمیروں میں چھپی تھی یہ تمنائے وصال
جس نے پیراہنِ تن چاک کیا ہے اتنا
کیا رگِ سنگ میں لرزاں تھی یہ شعلہ سی نمود
جس نے ہر رختِ سفر خاک کیا ہے اپنا!
شورشِ دہر میں گم نغمۂ یکتائی بھی!
رہنِ تکریمِ جہاں نازِ دل آرائی بھی!
کیا نہ ان آنکھوں سے چھلکیں گے محبت بھرے خواب
کیا دہکتا ہی چلا جائے گا قانونِ خیال،
کیا سلگتے ہی چلے جائیں گے معصوم سوال،
کیا چھنکتی ہی چلی جائے گی زنجیرِ جواب؟

اب تو سینے سے لگا لو طلبِ راحتِ جاں،
اب تو پھولوں میں چھپا دو غمِ فردائے خزاں
اب تو اشکوں ہی سے دھو ڈالو یہ بے مہر نشاں
کوئی پیرائیہ شادی، کوئی اسلوبِ نشاط
غم ہی چاہو تو بہت ہے غمِ تعمیرِ حیات!
آؤ، بے مہریِ ایام کا شکوہ نہ کریں
عشق سرمایۂ جاں ہے، اسے رسوا نہ کریں
لوگ تو چاہیں گے ایسا ہو، پر ایسا نہ کریں

(الحمرا)

اقبال کوثر

تخلیق زاد

زندگی کا
زندگی کے خوبصورت مظہروں کا
چاہنے والا ہوں میں
ڈھونڈ کر میں دیکھتا ہوں اُن کو
کھُلتی ہے زبانِ مدح بھی
ان سے بڑھ کر اور قدرت کے لیے
ہو گی ستائش کون سی
محترم ہے ذاتِ انساں
تیز پا وقتوں، سبک سایہ دنوں کے درمیاں
گرچہ آنے والا کل
جاگتے میں یاد آتے خواب کے
خالی لفظوں سا لگے
کل تراشوں لفظوں کا مَیں بھی وجود
کیا عجب کیا کیفیت
کسی حسن کی، شاداب کر جائے
ادراک سرمستی تخلیق بھر جائے مجھے

(مونتاج)

اقتدار جاوید

مہاتما

مہاتما کے ساتھ / رات کا قدیمی حسن جاگتا
ہر ایک اُس کے سانس سے بندھا ہوا
اُسی کی دھن میں جاگتا
درخت، پنچھیوں کی ٹکڑیاں
وحوش، آدمی، قدیم رات
دیکھتا تھا میں / افق کو پھٹتے درمیان سے
میں بطنِ کائنات سے
سفید دن نکلتے دیکھتا
میں دیکھتا / مہاتما کو
دن کو اپنے ہاتھ پر دھرے ہوئے
دنوں کو / اس کی انگلیوں پہ گھومتا میں دیکھتا

مہاتما کے آس پاس
ہر کوئی تھا / اپنے آپ سے کٹا ہوا
بُطون سے پھٹا ہوا / مقام سے ہٹا ہوا
پرندے انہماک سے / وجود اس کا دیکھتے تھے
گوشت پوست سے الگ / جہان میں کھبے ہوئے

عزیز، رشتہ دار، دوست سے الگ تھلگ
نگاہ میں پرندے تنکا تنکا جوڑتے
کہ گھونسلے بنا سکیں / فلک کو اور دیکھ لیں
وحوش، آدمی
مہاتما کے ساتھ رات رات جاگتے
وہ پنچھیوں کی طرح اونچا اڑتے
اور / ہزار زخم بنا کر مڑتے
جڑتے اپنے آپ سے
مہاتما کے جسم میں اترتے
پھر بیاضِ کائنات پر
کبھی نہ لفظوں کی طرح ابھرتے

میں نے اک مکاں بنایا
اپنے آپ میں / میں ریزہ ریزہ ہو گیا تھا
اُڑ گیا تھا بھاپ میں / مہاتما کو دھو کے میں نے
تازہ آنسوؤں کی دھار سے
نگاہ میں بٹھا لیا / میں نے اپنے آپ کو
ہر ایک شے سے خالی کر کے
پیٹ میں چھپا لیا!!

(فنون)

امداد آکاش

کہاں ہے زندگی

سبک رفتار بالر کی کماں ہوتی کمر
سر کو لپکتی گیند
بلے باز کا چھکا
کسی کو سوچ کر اندر ہی اندر بھیگتی لڑکی
دھڑکتے دل
جھپٹتا باکسر
پٹ کر سلوموشن میں چرمی فرش پر گرتا مقابل
باغ کے جلوے دکھاتی تتلیاں
ساگر میں چھوٹی مچھلیاں کھاتے شکاری
اور اچھلتا نیلگوں پانی
مفاداتِ توانا کے لیے برسوں سے جاری جنگ
قتلِ ناتواں...... تشکیلِ مرگِ ناگہاں،
بستر پہ لیٹا میں براہِ راست ٹیلی کاسٹ ہوتے
دیکھتا ہوں
دُور دنیا میں کہیں فٹبال کا اک میچ جاری ہے
غموں کو بھولنے آئے تماشائی
اچھلتے کودتے ہیں، جھومتے لہریں بناتے ہیں
رواں تصویر ہے، سیلِ بلا ہے، شور ہے،
رقصِ مسلسل ہے
یہی منظر

اسی پل میں
بڑی محسوس سی تاخیر سے اک دوسرا چینل دکھاتا ہے
کہاں ہے زندگی آخر
یہی......!
یہ لمحۂ موجود کا وہم مسلسل ہے
مرے بستر پہ تُو عریاں مرے پہلو میں لیٹی ہے
ترے محشر بداماں جسم سے ٹکرا کے نورِ چشم کے
فہمِ بصارت تک پہنچنے میں جو نامحسوس دوری ہے
وہ کیوں اتنی ضروری ہے
اسی دوری کے ہونے سے حضوری بے حضوری ہے
ترے ہونٹوں سے میرے کان تک آتے ہوئے
آواز گزری بات ہے
ہیہات گزری بات ہے
سچ تو وصالِ ذات ہے
جب میں ترے تالاب ہونٹوں سے
مئے نایاب پیتا ہوں
بدن میں ڈوبتا ہوں خاک میں تحلیل ہوتا ہوں
یہی دو چار گھڑیاں ہیں
انہیں دو چار گھڑیوں میں
تُو میرے لمحۂ موجود میں موجود ہوتی ہے
میں تیرے لمحۂ موجود میں موجود ہوتا ہوں
یہی حاضر زمانہ ہے
وگرنہ ہر گھڑی ہر آن، ماضی ہے، فسانہ ہے!

(تسطیر)

امین راحت چغتائی

اِک سوندھی سی خوش بو ہو......

کن گلیوں میں آ نکلے!
آنچ آئے دریچوں سے،
بے نام سی دستک پر کھل جائیں جو دروازے
شعلے سے لپک جائیں
رہ گیر جھلس جائیں

کچھ بند کواڑوں پر
دستک بھی نہیں ہوتی
وہ شورِ خموشی کا برپا ہے مکانوں میں
گلیوں میں صدا آئے،
کشکول لیے کوئی درویش ہی آ نکلے،
کچھ لفظ دعا کے ہی دہلیز سے در آئیں...... یہ بھی تو نہیں ہوتا!
آنگن میں کوئی کب تک آ آ کے پلٹ جائے،
کب تک کوئی خوابوں کو آنکھوں میں چھپا رکھے
پھٹے ہوئے لاوے کو سینے میں چھپا رکھے،
آندھی ہی کہیں اُٹھے

طوفاں ہی کوئی آئے
زنجیرا کھڑ جائے، پٹ کھلتے چلے جائیں
پھر زور سے بارش ہو
ہر چیز بھگو ڈالے، آنگن ہو کہ پیراہن

اک سوندھی سی خوش بو ہو پھیلی ہوئی سارے میں
پھر یوں ہو کہ تھم جائے طوفان بھی ہولے سے
تپتی ہوئی دیواریں آسودہ نظر آئیں
کچھ چہرے دُھلے سے ہوں بے رنگ مکانوں کے
جب بادِ خنک آئے
دستک ہو کواڑوں پر
پٹ کھلتے چلے جائیں

(تخلیق)

درد عروج پر آ جائے تو......

آری میلی کچیلی،
بھوکی، ننگی دنیا!
میں نے اک دن تیری قیمت
اک کم بیس روپے رکھی تھی
اپنے کہے پر آج بہت شرمندہ ہوں،
آ! میں تیرے سنگ
اک آخری رقص کروں

آگ اور دھوئیں کی آمیزش سے
سدرہ بوس درخت بنائیں
اور پھر اس کے سائے تلے
ہم رسیلے گیتوں کی لے پر
چھاتی سے چھاتی ٹکرائیں
قدم سے قدم ملائیں

(کیا عطراتا منظر ہے)
چڑ چڑ کرتے ماس کی باس میں
آوازوں کا کیا نایاب خزانہ ہے

یہ اک ایسی سمفونی ہے
جس میں خوف نہیں ہے
(درد عروج پر آجائے تو
خوف کہاں رہتا ہے)

آہ، کراہ کا ایسا سنگم
لفظوں میں کس نے باندھا ہے
جسم وصدا کے ایسے ایسے دائرے
بن جاتے ہیں جن میں
ازلی زرتک، ابدمغنی خود بھی کھو جاتے ہیں

آہ! ہم چاروں سمت میں
آگ لگا دیں
دریا اور سمندر بھک سے اڑا دیں
خود کو بھسم کریں،
اے ری دنیا،
تیری کراہت سے مجھ کو
کچھ عشق ہی ایسا ہے
میں مرجاتا ہوں
تُو بھی مرجا!

(تسطیر)

ڈاکٹر انور سدید

کھڑکی

مجھے احساس ہے، میں نے
ابھی کچھ کام کرنے ہیں
ستارے، جو مری پلکوں پہ
آنسو بن کے چمکے تھے
انھیں میں نے نئے لفظوں کی مالا میں پرونا ہے
نئے مفہوم کے میں نے ابھی اشعار کہنے ہیں
پھر ان اشعار کو لوگوں کے دلوں میں
جاگزیں کرنا بھی
اک دیرینہ خواش ہے
جوانی میں جو میں نے شاعری کی تھی
وہ اب مجھ کو ادھوری شاعری لگتی ہے
ناپختہ خیالوں اور ناآسودہ جذبوں کی

اگرچہ زندگی کا آٹھواں عشرہ سرکتا جا رہا ہے
مگر اب ایک کھڑکی اپنے دل میں
کھول دی میں نے

خیالوں کی جو تازہ آکسیجن سے
مجھے سیراب کرتی ہے
نئے جذبے اگاتی ہے
یہ کھڑکی میرا داخل ہے
یہ کھڑکی میرا خارج ہے

(سنبل)

ایوب خاور

التجا

رُدھالی! سُن
مجھے رونا نہیں آتا
میں اپنے سب سے پیارے خواب کے مرنے پہ رونا چاہتا ہوں
اور مجھے رونا نہیں آتا

رُدھالی!
تجھ کو رونے کی کمی کب ہے
تری زنبیل میں کیا کیا نہیں ہے
آنسوؤں کی کہکشاں ہے؛ درد میں ڈوبی ہوئی
سِسکار کا جادو؛ صفاتِ گریہ سے لب ریز لفظوں
کے سُبک آہنگ اور اُس پر ایک وحشت سے
بھری بے ربط سرگم کی فسوں کاری

رُدھالی!
تیرے سینے کی اتھاہ زنبیل میں ہر غم کا نم ہے
تُو سخیوں کی سخی ہے
اے سخی!
صرف ایک آنسو

ایک سسکی
اور اک وحشت بھری آواز کی بے ربط سرگم کی فسوں کاری
مرے اس خواب کی میّت کے پہلو میں دفن کر دو
مجھے رونا نہیں آتا

(پہچان)

بشریٰ اعجاز

صدیوں سے بنا طویل دن

مری چمبیلیاں اب سوکھنے کو ہیں
مجھے مہندی کی باڑوں سے
یونہی رخصت کرو گے کیا!
زمانہ ہو گیا ہے
اک کبوتر ہاتھ میں لے کر کھڑی ہوں
وقت کے مینا بزاروں میں
تمنا کے دریاؤں میں
کوئی آواز آتی ہے
نہ کوئی دل دھڑکتا ہے
اداسی جھانکتی ہے
برجیوں اور ممٹیوں سے
دُور تک پھیلے بینروں سے
حویلی کے پرانے بھربھرے مَیلے سویروں سے
جہاں کافور کی شمعیں جلائیں
شام ننگے پاؤں پھرتی ہے
خموشی میں نہائی دوپہر

ہاتھوں کو ملتی ہے

دبے پاؤں دعا

بے روح چلتی ہے

نکل کر وقت سے اک سہ پہر

صدیوں میں ڈھلتی ہے!!

(نوائے وقت)

پروین طاہر

ایک غیر روایتی قصیدہ

تُو کوئی من موہنی چمپاوَتی
تُو پرانی آتما پدماوَتی
آنکھیں تری ہیں تیری
ابرو کمان......!
حُسن تیرا عشق کا
میٹھا گماں
نظریں تری ہیں
آبشاروں کے سمان......!
تُو پری ہے قاف کی
اِک کامنی سی
چال جیسے ہو کوئی
گج گامنی سی
جس طرف کو تُو چلے
چلتا زمانہ اُس طرف اور
جس طرف سے تُو ہٹے
پسپا زمانہ اُس طرف

یہ بزم، خلوت، راگنی تیرے لیے
ہیں چاند، سورج، چاندنی تیرے لیے
تیکھا گلابی چیت، ہریل ساونی تیرے لیے
بس چھوڑ دے!!
میرے پیا میرے لیے......!!

(تسطیر)

ڈاکٹر ثروت زہرا

میں جو مجرم نہیں

میں صلیبِ زماں پر لٹکتی رہوں
کیلیں دھنستی رہیں، خون بہتا رہے
ایک انبوہ ہے بے کراں بد زباں
ایک سچ جو سبھی پر ہے کوہِ گراں
میں تماشا رہوں، شور بڑھتا رہے
گالیاں سیٹیاں، چند خاموشیاں
دوہرے معیار کے فیصلوں کی دکاں
چپ کی تعمیر میں دل سنبھلتا رہے
کیلیں دھنستی رہیں، خون بہتا رہے
جھوٹ اور خوف کی آنکھ عادی نہیں
میں جو مجرم نہیں میں فسادی نہیں
تیر و دشنام کا وار چلتا رہے
کیلیں دھنستی رہیں، خون بہتا رہے

(فنون)

ثمینہ راجہ

یہ رستہ

ان درختوں کے گہرے گھنے، خواب آلود سائے میں
خاموش، حیران چلتا ہوا...... ایک رستہ
کسی دور کی...... روشنی کی طرف جا رہا ہے

یہاں سے جو دیکھو تو جیسے...... کہیں حدِ امکاں تلک
گم شدہ وقت جیسی اندھیری گپھا میں
یہاں سے جو دیکھو...... تو
امید جیسا بہت حیرت افزا...... عجب سلسلہ ہے
جو اِس تنگ، تاریک نقطے سے
ممکن کے مانند، اک روشنی زاد قریے کی جانب کھلا ہے
فضا میں کہیں نیلگوں سبز، ہلکے سنہرے
کہیں بس ہرے ہی ہرے...... سخت گہرے
بہت اونگھتے ڈولتے رنگ
سوکھے ہوئے سرخ پتوں کے مانند
اس بے اماں راستے پر پڑے ہیں

کرن بھولی بھٹکی ہوئی
ان سے آ کر اچانک جو ملنے لگی ہے

تو یک بارگی چونک کر......سب دھکنے لگے ہیں
اندھیرے کی اس حدِ امکاں تلک
تنگ، گہری گپھا میں......
سبھی یاد کے جگنوؤں کی طرح
اڑتے اڑتے چمکنے لگے ہیں

یہاں سے جو دیکھو......تو
نادیدہ منزل کی موہوم حیرت سے
آنکھیں، ہر اک خواب کی نیم وا ہیں
تمناؤں کے دل دھڑکنے لگے ہیں!

(تسطیر)

جاوید احمد

علاقہ ممنوعہ

وہ آدھی رات کی پیاسی
اندھیروں میں بھٹکتی
لڑکھڑاتی، ہانپتی، گرتی ہوئی
پتھر کی دیواروں تک آتی ہے
وہ خود کو نیند کی گہرائیوں سے موڑتی
خواب آئینوں کو توڑتی
اپنا بدن جھنجھوڑتی
اپنی زباں کا لمس رلیے اور نکیلے پتھروں پر چھوڑتی
اپنا لہو اپنی رگوں سے کھینچ کر
اُس کے نشے میں ڈوب جاتی ہے
مگر اپنے بدن کے ایک حصے میں
جہاں چاہت دھڑکتی ہے
کسی کو بھی کبھی آنے نہیں دیتی

(عکاس)

حسن اکبر کمال

طلسم یک لمحہ

سپیدۂ سحر
خموش سارے بام و در
سکوت کی قبائے سرمئی میں دُور دُور تک
ہیں شہر کے نقوش گُم
مجھے گماں کہ میں یہاں
اس آبجُو کے پاس ایستادہ
کائنات کے سکوت اور خواب میں
شریک ایک بے حیات شے سے بڑھ کے کچھ نہیں
مگر کسی پرندِ صبح کی نوائے دل نشیں نے
یک بیک طلسمِ خامشی کو توڑ کر
مجھے حیات سے دوبارہ
ہمکنار کر دیا

(سیپ)

خالد احمد

اوسلو

اے ہوائے ہنر!
برف کی چادروں میں ڈھکے
سنگ زادوں کی ویران آنکھوں میں کس رنگ کے خواب ہیں؟

اے ہوائے ہنر! کچھ تو کہہ!
برف کی چادروں میں ڈھکے
سنگ زادوں کی ویران آنکھوں میں کس خواب کی خاک ہے؟

کچھ تو کہہ، اے ہوائے ہنر!
اے ہوائے شمال!
اے مری ہم قدم!
اے مری ہم سفر!
اے مری ہم ہنر!

لڑکیاں، سنگ زادوں کے خال وخط وخد میں گم ہو گئیں
اور ہم! مرمریں پنڈلیاں دیکھتے رہ گئے

اہلِ غم! دل کی اندھی گلی میں گھِرے مار کھاتے رہے
دھڑکنیں پسلیوں میں کچوکے لگاتی رہیں
اور ہم، مرمریں پنڈلیاں دیکھتے رہ گئے
بات نیکی بدی کی نہ تھی
فائدے اور نقصان کی جنگ تھی

اے ہوائے ہنر! کچھ تو کہہ!
کیا بھلائی برائی، سمجھ کا اُلٹ پھیر ہے؟
اے مری ہم سفر! زیست، کارِ اذیّت سہی!
اے مری ہم قدم! عمر، دورِ مشقت سہی!

شکر ہے!
اس ٹھٹھری ہوئی رات میں
ہم تہی پیرہن
ان بتوں کی طرح چوک میں ایستادہ نہیں

(بیاض)

خاور اعجاز

گواہی

زمانے!
مری خواہشوں کے بدن پر اداسی
لبادے کی صورت
برس ہا برس سے ہے لپٹی ہوئی
بیضوی چوٹیوں پر
تمازت سے پگھلی ہوئی برف پھر جم گئی ہے
مری روح کی جھیل
خوابوں کی مٹی سے بھرنے لگی ہے
ترے سبز وعدے کی دنیا بکھرنے لگی ہے
پہاڑی کے پیچھے
مرے نام کا ایک سورج پڑا ہے
مرا قافلہ راستے میں کھڑا ہے
کہ تو ایک دن میرا سورج اچھالے گا
اور مجھ کو راتوں کے غم سے نکالے گا
سن اے زمانے!
ابھی ساعتِ دید میں وقت ہے کچھ
ابھی میرے چاروں طرف

میری دنیا کے سائے
کھڑے ہیں مجھے روک کر
دیکھنے ہی نہیں دے رہے اس طرف
جس طرف سے ستاروں کے جھرمٹ میں
دیدار کے سبز محمل نے آنا ہے
منظر نے کچھ دیر کو جھلملانا ہے
پھر ڈوب جانا ہے
میں نے بھی اور میرے سورج نے بھی
کیمرے میں رہے گا
مری منتظر آنکھ کا چوکھٹا
اور اس میں جھلکتی ہوئی
تیری تصویر کا ایک رخ
جس کا کیپشن فرشتے لکھیں گے
مگر تو نے محفوظ تو کر لیا ہے نا
میری گواہن کا منظر!

(سنبل)

دانیال طریر

الرجی

وہ کہتا ہے
اُس جانب کچھ کتے بھیجو
سونگھنے والے
بُو آئی ہے
آدم زاد کی بُو آئی ہے
آدم زاد کی بُو سے میرا دم گھٹتا ہے
سانس کی تنگی مجھ کو وحشی کر دیتی ہے
مجھ کو اپنے وحشی پن سے ڈر لگتا ہے
جلدی بھیجو
دیر ہوئی تو
خونی وحشی جاگ اُٹھے گا
جاگ اٹھا تو جس جس بستی سے گزرے گا
موت لکھے گا
لومڑیوں سے کہہ دو میرے پاس آ جائیں
چیتوں کو خوراک گھٹا دو
کہاں گئے ہیں گدھ بلواؤ

آؤ آؤ
لومڑیو اس بُو کو سونگھو
اور بتاؤ کیا کرنا ہے
میرے محل میں پھولوں کی تعداد بڑھا دو
آکسیجن کے سیلنڈر بھر دو
جو کہتا ہوں جلدی کر دو
دیر نہ کرنا دن ڈھلتا ہے
جنگل ایسے کب چلتا ہے

(شعروسخن)

روش ندیم

خرابات سے آئے ہوئے خطوط

کون ہیں؟
جو خرابات میں خواب کی اک دریدہ سی چھتری لیے
سورجوں کے سفر پر چلے تھے مگر
منزلوں سے پرے، ہی خبر کیا ملی کہ وہ آنسو بھی اپنے
چھپا نہ سکے
شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں
جو دق زدہ پھیپھڑوں میں پڑے گیت کو گنگنا نہ سکے
جو دکھا نہ سکے تھے پرانے خطوط
حکمرانوں کی دہشت سے جو جیب میں ہی سلے رہ گئے
بے بسوں کے سندیسہ کی خواہش لیے
ان سنے رہ گئے
ناگاساکی کے ہاتھوں لکھے ہوئے
ہیروشیما کے آنسو بھی بھیگے ہوئے

کس نے دیکھا مگر بوڑھے کابل کا دکھ!
کس نے سمجھا اسے؟

کس کو جا کر بتائے کہ سینے پہ اس کے جو بارود کا پھول ہے
اس کے اپنے ہی بیٹے کی بندوق کی دین ہے
اس کی اک ٹانگ اب جو کہ لکڑی کی ہے
وہ پڑوسی سے اس کی پرانی رفاقت میں لپٹا ہوا بھید ہے
کیسے کھولے اسے!!
وہ تو چپ چاپ ہی اپنی تاریخ کا بوجھ ڈھوتا رہا
قرن ہا قرن زخموں سے رستا لہو وہ چھپاتا رہا
پر وہ رو نہ سکا
بانجھ صحراؤں میں پھول زیتون کے وہ اگا نہ سکا

کون ہے!
اب بھلا کون ہے!
جو کہے کہ نئے عہد کے اس خداوندِ قدوس کو
آبِ کوثر میں جو نیند کی گولیاں دے رہا ہے
وہ جبریل ہے
اور جو آواز کے نرخرے میں خموشی کے پتھر کو لڑھکا رہا ہے
سرافیل ہے

کن ہے!
اب بھلا کون ہے!

جو کہ آنکھوں میں نیندوں کا سرمہ سجا کر پڑے اس خدا کو بتا دے
کہ اس کے مقرب فرشتوں نے فردوس تک بیچ کر
اپنی جیبیں بھری ہیں
کواڑوں کو اندر سے تالے لگا کر
مکانوں میں سہمے ہوئے جاگتو!!
گر محاذوں سے تم تک خبر ایسی پہنچے
کہ سرحد تجارت کی آماجگہ بن گئی ہے
سپاہی اب اپنے ہی تمغوں کی بولی لگانے میں مصروف ہیں
تو سمجھ لینا
سپنے، تمنائیں، راہیں، منازل، یا جو کچھ بچا ہے
وہ نیلام ہوگا......سرِ عام ہوگا!

(تسطیر)

ریاض ساغر

تحیر

وہ بولوں جو نہیں بولا
وہ لکھوں جو نہیں لکھا
وہ دیکھوں جو نہیں دیکھا
کسی دن وہ بھی کر دیکھوں جواب تک کرگزرنے کی دبی خواہش ہے سینے میں
وہ پانی پی کے دیکھوں جس پہ پابندی ہے پینے میں
وہ لمحہ جو کے دیکھوں جو نہیں آیا ہے جینے میں
شفق کے اس طرف کیا ہے
یہ سورج کون سی جھیلوں کو جاتا ہے اور نہاتا ہے
سرِ کہسار برفوں کی ردا اوڑھے
ہرے جنگل میں آخر کون ہے جو سنسناتا ہے
یہ دریا رات کی خاموشیوں میں......
کون سی بستی کو جاتا ہے
وہ وادی جو نہیں دیکھی، کسی دن جا کے دیکھ آؤں
سیہ راتوں میں جگنو جھلملاتے ہیں
مگر کیوں جھلملاتے ہیں

گلی کے تنگ موڑوں سے لپٹ کر رونے والی
تیرگی کیا ہے

یہ آخر روشنی کیا ہے
یہ روشن دردریچے روشنی کیوں بانٹتے ہیں
مری پلکوں پہ مٹی جم رہی ہے
تری آنکھوں سے موتی جھڑ رہے ہیں
سماعت گنگ ہے
الفاظ جیسے دل میں نیزے گڑ رہے ہیں
محبت کرنے والے لوگ......
دریوزہ گری تک آ گئے ہیں
اب ان کے جام، کاسے......
زم زمِ الفت سے خالی ہیں
ہمارے شہر میں نفرت کی اک بارش برستی ہے
یہاں خلقِ خدا نانِ شبینہ کو ترستی ہے
حسابِ روز و شب کیا ہے
یہ موسم کل تلک ایسا نہیں تھا
لیکن اب کیا ہے
میں جتنا جان سکتا ہوں بس اتنا جان سکتا ہوں
یہ سب کیا ہے......!!
یہ سب کیا ہے......!!!

(شعروسخن)

زیف سید

داستان گو

میر باقر علی
تم نے پھر بیچ میں داستاں روک دی؟

شاہ گل فام گنجل طلسموں کی گتھی کو سلجھاتا
صرصار جنگل کے شعلہ نفس اژدھوں سے نمٹتا
بیابانِ حیرت کی بے انت وسعت کو سر کر کے
پہرے پہ مامور یک چشم دیووں کی آنکھیں بچا
سبز قلعے کی اونچی کگر پھاند کر
مہ جبیں کے معنبر شبستان تک آن پہنچا ہے

اُس طرف حق و طاغوت مدِ مقابل ہیں
آنکھیں جدھر دیکھتی ہیں
کلھاڑوں کی، نیزوں کی، برچھوں کی فصلیں کھڑی لہلہاتی نظر آ رہی ہیں
جری سورما آمنے سامنے، ہنہناتے، الف ہوتے گھوڑوں پہ
زانو جمائے ہوئے منتظر ہیں
ابھی طبل پر تھاپ پڑنے کو ہے
شاہ گل فام اب شاہ زادی کے حجلے کے اندر

چھپر کھٹ کا زربفت پردہ اٹھا ہی رہا ہے
مگر میر باقر علی
تم نے پھر بیچ میں داستاں روک دی؟
راہ داری، منقش درو بام، ست گن قالین، بلور قندیل، فوارہ بربط سناتا
جھروکوں پہ لہراتی قوسِ قزح
میمنہ، میسرہ، قلب، ساقہ، جناح
آہنی خودوں سے جھانکتی مرتعش پتلیاں
رزم گہ کی کڑی دھوپ میں ایک ساکت پھریرا
چھپر کٹ پہ سوئی ہوئی شاہ زادی کے پیروں پہ مہندی کی بیلیں

فصاحت کے دریا بہاتے چلے جا رہے ہو
بلاغت کے موتی لٹاتے چلے جا رہے ہو

مگر میر باقر علی داستاں گو، سنو
داستاں سننے والے تو صدیاں ہوئیں، اٹھ کے جا بھی چکے ہیں
تم اپنے طلسماتی قصے کے پُر پیچ دھاگوں میں ایسے الجھتے گئے ہو
کہ تم کو خبر ہی نہیں
سامنے والی نکڑ پہ
دو آنے کی بائیسکوپ آ گئی ہے

پروفیسر سحر انصاری

اندھی سُرنگ

شہر ہے یا کہ ہے
خوف و دہشت کی اندھی سُرنگ
جس میں جانے سے ڈرتا ہے دل
ان دنوں
اپنی فطرت سے برعکس
(یا شاید اس کے مطابق)
آدمی آدمی کے لیے
ایک نادیدہ خطرے کا اعلان ہے
اس قدر بھیڑ چاروں طرف ہے مگر
شہر سنسان ہے
چلتی پھرتی ہوئی سرد پرچھائیاں
زندگی کے تجسس میں آوارہ ہیں
تیز رفتار رتھوں کے پتھراؤ سے
شیشۂ ساعتِ زیست ہے چُور چُور
اور دنیا کے بے حس قرینے وہی
اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہیں

سوچتے ہیں کہ سوچوں کے بندھن کبھی
ٹوٹ جائیں تو ہم
خود بھی آزاد ہو جائیں ہر جبر سے
ہم بھی باہر نکل آئیں احساس کی قبر سے

(ارتقا)

سید ابرار سالک

ہنزہ

یہ چرخِ نیل گوں ہے
یا کسی کا دستِ مہرباں
کہ جس کے لمس کا گداز

چھو رہا ہے
قلب و جاں کی کھردری مسافتیں

یہ برف برف چوٹیاں
یہ گنگناتی، جھلملاتی ندیاں
یہ سلسبیلِ امن میں ڈھلی ہوئی

گلاب پوش وادیاں
روش روش پہ گل عذار اپسراؤں کا خرام
شجر شجر پہ فاختاؤں کا قیام

یہ حسن، یہ جمال
جس کی سرسراتی تازگی سے

بج رہے ہیں دل کے تار
چشمِ کشتۂ خزاں میں
موسمِ بہار ہے رنکھار ہی نکھار ہے

مگر وہ شہرِ بے اماں/ دیارِ شب گزیدگاں
جھلس چکے ہیں
جس کے باغچوں میں پھول
جھڑ چکی ہے پتیاں
وہ حبس ہے کہ مر چکی ہیں تتلیاں
وہ جس کے راستوں میں
اُڑ رہی دھول/ سُرمگیں فضاؤں میں
دھواں ہے، انتشار ہے
غبار ہی غبار ہے
وہ شہرِ بے اماں و شب گزیدگاں
جو اُس طرف کو ہے کہیں......
کوئی تو ہو جو اِن گلاب پتیوں سے
اوک بھر کے
اُس طرف بکھیر دے
کوئی یہاں کی روشنی سے
طشت بھر کے
اُس طرف اُچھال دے

سید مبارک شاہ

سب کچھ تیرے نام

دے اللہ کے نام پہ داتا، سب کچھ تیرے نام
تیرے شہر سدا آباد رہیں اور تیرے تاج کی خیر
تیرے بچے جگ پر راج کریں، میرے بھوکے، ننگے بچوں کو
کچھ اپنی نسل کا صدقہ دے، کچھ اپنے سر سے وار
میرے خالی پیٹ کی شکنیں گن، میرے اُجڑے گھر کو دیکھ
میری پشت پہ قرضے پُشتوں کے، سب تیرے در کی دین
میرے سینے پہ وہ بوجھ تیرے احسانوں کے، میری نسلیں تیری رہن
میں کعبہ چھوڑ کے آیا ہوں، تیری چوکھٹ پر
تُو ایک نظر تو دیکھ
تیرے در پر سائل آتے ہیں، پر مجھ جیسے کم کم
اک ہاتھ میں میرے کاسہ ہے، اک ہاتھ میں ایٹم بم
دے بس اپنے نام پہ داتا، سب کچھ تیرے نام

(حرف)

شاہدہ تبسم

لاشعور

اس اجنبی شہر میں نجانے
کہاں سے آ کر
یہ اک قبیلہ بسا ہوا ہے
کہ شہر والوں نے سارے خیموں کے در پہ پہرے
بٹھا دیے ہیں
سفید خیموں میں رہنے والے
جو سارے وحشی سسک رہے ہیں
کہیں کسی دن بھڑک اٹھے تو
ہر ایک خیمے کی اجلی دیوار سرخ ہو گی
لہو کے دھبّوں سے سرخ ہو گی
فضا میں چیخیں بلند ہوں گی
ہر ایک خیمہ نگار ہو گا
(سوا و نگھنے دو
تمام جلاد پہرے داروں کو اونگھنے دو)
وہ شب کی سنسان خامشی میں
ہر ایک دروازہ توڑ دیں گے
وہ شور کرتے
سبھی کو بے حس بنانے والے
تمام سازوں کا غُل مچاتے نکل پڑیں گے
نئے پرانے ہر اک زمانے کو

پشت پر اپنی لاد لیں گے
زماں مکاں کی
ساری پرتیں
تمام سمتیں
الٹ پلٹ کر
یہاں وہاں پُرفشاں رہیں گے
گئے زمانے
اور آنے والے نئے زمانے کو ایک کر کے
زمیں کی سب ہی تہوں میں جا کر
سراغ تحت الثریٰ کا لا کر
بصارتوں کی
ادھوری گہرائی پر ہنسیں گے
کہ آسمانوں کی سمت جا کر
نظر پہ صیقل اتار دیں گے
وہ آسمانوں سے گھر ثریا کو نوچ لیں گے
سکون پائیں گے آسمان و زمیں کے چودہ طبق ہلا کر
تھکن سے جس دم وہ چُور رہوں گے
تو صبح تک
اپنے اپنے خیموں میں سوئے ہوں گے
ہر ایک دیوار اجلے خیموں کی خوبصورت
سفیدیوں کے بھرم کو تھامے
یونہی رہے گی

(ریپ

شاہین مفتی

چل کہیں اور

شام اک شام سے باہر ہے کھڑی
رات کے خوف سے لرزیدہ ہے
رات جو کشمکشِ وقت میں پوشیدہ ہے
کہیں آفاق پہ رکھا ہوا ہے
حرفِ سربستہ کا سامانِ وجود
جس کی تقریب شناسائی میں
رات دونیم ہوئی
بات تقسیم ہوئی
چل کہیں اور چلیں
وقت کے طولِ الم ناک کی حد سے باہر
راستہ روک کے بیٹھے ہوئے افلاک کی حد سے باہر
جسم کے اس خس و خاشاک کی حد سے باہر
شام اک شام سے
باہر ہے کھڑی!

(تسطیر)

کفن چور

کچھ نہیں، گھر میں مرے کچھ بھی نہیں
کوئی کپڑا کہ حرارت کو بدن میں رکھتا
لقمۂ نانِ جویں، خون کو دھکا دیتا
من کو گرما تا سکوں، تن سے لپٹتا بستر
کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں!

رات کو جسم سے چپکاتی ہوئی سرد ہوا
جسم کے بند مساموں میں اترتی ٹھنڈک
سنگِ مرمری ہوئیں خون ترستی پوریں
ہاتھ لرزاں تھے، امیدوں نے مگر تھام لیے
پاؤں چلتے ہی رہے شہرِ خموشاں کی طرف

پردۂ خاک میں لپٹے ہوئے بے جان وجود!
باعثِ ننگ زمیں ہوں، مگر اک بات بتا
جسم مٹی ہو تو کپڑوں کی ضرورت کیا ہے؟
دیکھ! پیوندِ زمیں! میرے تنِ عریاں پر

داغِ افلاس کا پیوند...... اجازت دے دے
مر کے مرتے ہوئے انسان کو زندہ کر دے
ایک ملبوس کمانے کی اجازت دے دے!
ورنہ بھوکی ہے بہت خاک، کہاں دیکھے گے
جسم کھا جائے گی، پوشاک کہاں دیکھے گی!

(تسطیر)

شبہ طراز

لمحۂ موجود سے مکالمہ

سنو، شاعر!
ہمارا وقت آنکھوں میں چھپا ہے
محبت کے بہت سے تجربے ایسے بھی ہوتے ہیں
جہاں لاحاصلی اہداف میں شامل نہیں ہوتی
مگر قسمت میں ہوتی ہے......
سفر اور لاسفر کے فاصلے حل ہو نہیں پاتے
مگر آنکھوں سے پوشیدہ، ادھورا راستہ
اک راستے کو کاٹتا اندر اُترتا ہے
سنو، شاعر!
تم اپنی آنکھ سے نکلو
وہ سارے خواب کترا کر
جو دامن کھینچ لیتے ہیں......
ہمارے شہر پتھر ہو گئے تھے
پلٹ کر پھر نظر ڈالو
جو لمحہ بے خبر ہے، چونک اُٹھے گا
اسی لمحے میں سب کچھ ہے

گذشتہ اور آیندہ

کہانی کچھ نہیں ہوتی
محبت کی حرارت وقت کو آباد رکھتی ہے
زمانے کے تسلسل میں محبت کا ذرا سا نقرئی ٹکڑا
کسی چھوٹی سی جنت کی گواہی ہے
اسی چھوٹی سی دُنیا میں وفائیں رقص کرتی ہیں
دھنک تقسیم ہوتی ہے......
سنو، شاعر! ہمارے شہر کی گلیوں میں پھر ساحرہ وا
جادو جگانے آ رہی ہے
ضروری تو نہیں کہ تجربے
سارے کے سارے ایک جیسے ہوں؟
سنو، شاعر......!

(شعر و سخن)

ڈاکٹر ضیاء الرشید

کیٹ واک

طلاطم خوشبوؤں کا آ رہا ہے
وہ لشکر آہوؤں کا آ رہا ہے
بتِ طناز ہر کوئی بڑے ہی ناز سے یوں چل رہا ہے
کہ جیسے بے خبر ہو اس حقیقت سے
نظر اس کی کہاں ہے
پیر پڑتے ہیں کہاں پر روشنی کے آبشاروں میں
تکونیں، زاویے، خط، دائرے، قوسیں
خطوں کے باہمی قطع و تقاطع
لباسوں کی کٹائی میں بدن ڈھالے ہوئے ہیں
تماشا گاہ کی نظریں کہاں جا کر پھسلتی ہیں
کہاں جا کر اٹکتی ہیں
لچکتی شاخ پھولوں کی
بخوبی اس سے واقف ہے
کہ اس کے پیرہن میں پھول کتنے ہیں
تجارت تو تماشا گاہ میں پھولوں کی ہوتی ہے

(حرف)

طالب انصاری

آخری گزارش

مری گفتگو
بھیگے پتوں پہ لکھی وہ تحریر ہے
جو کسی کی سمجھ میں ہی آتی نہیں ہے
مرے خواب
زرتاب کرنوں میں گوندھے ہوئے خواب
تاریکیوں سے بھری
کوٹھڑی کی ٹپکتی ہوئی چھت کے نیچے پڑے ہیں
کہ یہ سکۂ رائج الوقت ہرگز نہیں ہیں
مری سوچیں
مسجد کی الماری میں رکھی پُرنُور رحلیں
جو بے کار چیزوں کی صورت ٹرنکوں کے اندر دبا
دی گئی ہیں
انہیں جھاڑنے پونچھنے کی کسی کو بھی فرصت نہیں ہے
مری خواہشیں
گوردوارے کے اونچے کلس جیسی تھیں
دھوپ میں جو زیادہ چمکتا تھا

لیکن وہ سب خواہشیں اب
کسی کونے میں بیٹھی بے وقعتی کی سزا کاٹتی ہیں

وہ سارے ارادے
چٹانیں جنہیں دیکھ کر راستہ چھوڑ دیتی تھیں
لکڑی کے خم کھائے دروازے ہی بن گئے تھے
جو بوسیدہ قبضوں سے لٹکے ہوئے
بے یقینی کی آندھی میں بجتے رہے ہوں
فلک سے بھی اونچی نکلتی امیدیں
ہوا، دھوپ، بارش کے رحم و کرم پر
درختوں کی شاخوں میں الجھی پتنگیں ہیں میری امیدیں
رہِ ہستیِ بے ثمر کے لڑھکتے ہوئے موڑ پر
اب یہ کیسا سمے آ گیا ہے
بہاروں سے لبریز خوش کن زمانے
جنہیں دیکھنے کی تمنا میں
سانسوں کی آری پہ چلتا رہا ہوں
وہ شاید نہیں آسکیں گے
سنو ساکنانِ مکانِ حوادث
مری چارپائی کو ڈیوڑھی میں لا کر بچھا دو

(فنون)

طاہر سعید ہارون

دوہے

روٹھا مورا سانولا سوکھے آس گلاب
گگری ٹوٹی پیار کی بہہ گئے سندر خواب

☆

من بگیا سے آس کی جانے لگی بہار
کب تک من ترساؤ گے میرے سندر یار

☆

چھم چھم نیر بہاؤں میں منوا ہے بے چین
ساگر سب سنسار کے اُترے مورے نین

☆

سینچے پھول گلاب کے رکھا اُن کا مان
کانٹے چُنتے زندگی اپنی لہولہان

☆

درپن ٹوٹا پیار کا کیسے دیکھوں رُوپ
من میں اُتری راتری چھپ گئی گن کی دھوپ

☆

کویل بَن میں کُوکتی ہردے مرا جلائے
پی ہُو پی ہُو بولتا چاتک آگ لگائے

☆

اُڑتی جائیں دھڑکنیں کھویا من کا چین
چندا تجھ کو دیکھتے ہوئے چکورے نین

☆

برہا بیدھے رات دن آنکھوں میں برسات
کاہے میں نے مان لی منوا تیری بات

(تخلیق)

آ کے دیکھو تو

میرے حرفوں کو گرانے کے لیے
فوج درکار نہیں
آ کے دیکھو تو دھنک زار مری غزلوں کا
ایک نقطہ بھی نگوں سار نہیں
آ کے دیکھو مرا میخانۂ حرف و معنی
ایک ہالہ بھی گرہ دار نہیں
آ کے دیکھو یہ مرا شیشۂ دل
اس پر اک داغ کا زنگار نہیں
آ کے دیکھو تو مرے صحنِ عزاداری میں
ایک بھی زخم پہ دُھتکار نہیں
آ کے دیکھو تو مری نظم کے بت خانے میں
جس قدر بت ہیں وہ اک نام کے ہیں
جس قدر زخم ہیں اک یار کے ہیں
یار وہ جس کی نگہ داری میں
ہونٹ آباد نہیں اشک طرح دار نہیں
شہر یاری میں تری دیکھ علاقے میں ترے
زلف آزاد نہیں، شاعری مسمار نہیں

(فنون)

عامر عبداللہ

آخر کب تک

کیا تم اس نقطے سے باہر جا سکتے ہو
اُڑ کر، جست لگا کر، گھومتے گھومتے
سیدھے، خط میں، قوس میں چل کر
یا پھر اِک کوندے کی صورت
وجد میں آ کر......

نقطہ، جس کی قید میں ہو، اک گنبد ہے
اور باہر جانے کی ضد کرنے والے،
سب اسفل ٹھہرائے جاتے ہیں
ان کی روحیں خالی ہیں
اور ان کے جسم خود اپنے ہی باطن کی روشنیوں کو
پی کر زندہ ہیں
کیا تم اس الزام کو سر لینے کی جرأت کر سکتے ہو
کیا تم جینے کی کوشش میں مر سکتے ہو
بتلاؤ ناں!
اے محبوس پرندے کب تک
نازک جسم پہ زخم سجاتے رہنا ہے
بند کواڑوں سے ٹکراتے رہنا ہے

(سمبل)

علی اکبر ناطق

ٹھیکریوں پہ لکھی عبارت

علم سرنگوں کرنے والوں سے پوچھو
ٹھیکریوں پہ لکھی عبارت کے معنی
ٹھیکریوں پہ لکھی عبارت کے معنی
اگر اتنے سادہ ہیں تو خونِ تازہ میں پوشیدہ کیوں ہیں
حقیقت تو یہ ہے ٹھیکریوں پہ لکھی عبارت چرائی گئی ہے
صحیفوں کے لافانی اوراق سے بے یقینی کے ہاتھوں
جنھیں جبر کے بے خبر طاقچوں میں
ہزاروں برس سے چھپایا گیا تھا
پڑے قُفل اُن پر زمانے کی اندھی عقیدت کے صدہا
وہیں بدگمانوں نے ایسے خداؤں کو پیدا کیا تھا
جو اپنے ہی خالق کا دل کھا گئے طشتِ الفت میں رکھ کر
علَم کو اٹھانے سے پہلے بتایا گیا تھا انھیں حرفِ با
جو فقط ایک نقطے کا محتاج تھا اور اُس میں بشارت چھپی تھی
وہی ایک نقطہ جسے کھولنے میں کسی
اسمِ اعظم کے ہم راہ دستِ ہنر کی ضرورت رہی ہے
مگر وہ کلیدِ ہنر سے نہ کھولا گیا

اُس کو کاٹا گیا آہنی دھارے سے بے یقینی کے ہاتھوں
بہ جائے کسی فتح کے بہ گئی خونِ تازہ کی ندی
اسی میں گرے لڑکھڑاتے ہوئے
بے دلی سے عَلَم سرنگوں کرنے والے
پُکارا نہ لیکن کسی حرفِ با کو،
کہ اُن جانتے تھے اس حقیقت سے اکثر مبارز
نہیں جانتے تھے، ـــــ
پھریروں پہ لکھی عبارت اُسی حرفِ با کی ہی تحریر ہے

(سمبل)

علی محمد فرشی

گناہ

گناہ کیا ہے
ثواب کیوں ہے
ثواب کی لذتیں ہی کیسی
گنہ کا بھاری عذاب کیا ہے
مجھے تو یہ بھی خبر نہیں ہے
گناہ آخر گناہ کیوں ہے
کہاں سے پھوٹا ہے اس کا چشمہ
کسی پہاڑی سے جھرنا بن کر گرا ہے نیچے،
زمیں کے دل پر
کہ جلتے ہونٹوں کا دکھ بجھانے اُمڈ پڑا ہے
خود اس کی اپنی ہی چھاتیوں سے
یہ ریگ زاروں کی آرزو ہے
یا پھر سمندر کی آبرو ہے
جہاں سے بادلِ جوانی چڑھتا ہے،
آسمانوں کی
پانی کیا ہے

یہ جو پہاڑوں پہ جھومتا ہے
سلگتے سورج کو چومتا ہے
دو چار لمحے پہاڑ سینے پہ جھوم لینا
سلگتے سورج کو چوم لینا
گناہ کیوں ہے
ثواب کیا ہے!

(تسطیر)

فرخ یار

عجلت میں پشیمانی کا تذکرہ

ہم کہیں ساعتِ بے بال و پری
کھول کے دم لیتے ہیں
ریگ زاروں سے نکلتے ہیں
روانی لے کر
اور اتر جاتے ہیں
گدرائے ہوئے پانی میں
بس اسی پانی میں ہے
اپنی ہوس
اپنے چلن کا قصہ
یہ چلن
خواب گہہِ ہست سے ہوتا ہوا
کاشانے تلک جاتا ہے
جس کی درزوں سے دعا جھانکتی ہے
اور خلقت ہے
کہ غفلت بھرے پہروں میں ہوا مانگتی ہے

(تسطیر)

کرامت بخاری

جنگ

جنگ جیتنے والو!
موت بانٹنے والو!
باغِ زندگی کی شاخ کاٹنے والو
موت کی محبت کا موت ہی مقدر ہے
بھوک کے اضافے پر خوش نہیں ہوا کرتے

جنگ جیتنے والو!
موت بانٹنے والو!
جنگ کس نے جیتی ہے
تم بھی ہار جاؤ گے میں بھی ہار جاؤں گا
موت جیت جائے گی
موت جیت جائے گی

(ارتقا)

محمد افسر ساجد

سماعت کا مقدّر

ودا عِ شام سے پہلے
فقط اک بے نشاں سورج کی گرد آمیز زردی کو
بکھرتا دیکھنے کی خواہشِ بے نام تھی دل میں
سو ہم بیٹھے رہے یونہی
ودا عِ شام سے پہلے
مگر سورج کی یہ کرنیں
سرابِ آگہی کے بیکراں ساحل کی اندھی اور
جھلستی ریت کے ویران منظر پر
وصالِ شب کی یخ بستہ بشارت کا نوشتہ تھیں
ہمارے آنگنوں کی بے چراغی پر
فلک کی آنکھ سے آنسو نہیں ٹپکا
کسی منزل کے رستے پر
کوئی آہٹ نہیں جاگی، کوئی نغمہ نہیں پھوٹا
صدائے گریہ و ماتم
سماعت کا مقدّر ہے!!

(سیپ)

محمد حفیظ اللہ بادل

خوابِ شبِ ظلمت

جاگتا ہوں مگر!
جاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں
شوخ چنچل نگاہوں سے الجھے ہوئے
منچلے رتجگے، واہمے حادثے
میری میراث ہیں،
ظلمتِ شب کی اندھی مسافت میں پھیلے ہوئے
یاد کے بے سکوں،
رہگزاروں کی تپتی ہوئی ریت
میرے خیالوں کو پھر نیند کی تھپکیاں دے رہی ہے
مگر!
مجھ کو معلوم ہے
نیند کی تھپکیاں لیتے لیتے میں سو بھی گیا تو!
مری سوئی آنکھوں میں پھر،
چاند کے خواب ہولے سے در آئیں گے
خواب اتریں گے تو میری آنکھوں میں وحشت اُتر آئے گی
اور پھر،

ظلمتِ شب کی اندھی مسافت میں پھیلے ہوئے
آخری پہر میں روتے روتے اُٹھوں گا
مگر!
اس سے پہلے کہ میں
روتے روتے اُٹھوں
کیا یہ بہتر نہیں جاگتا ہی رہوں

(حرف)

مقصود وفا

بلیک اینڈ وائٹ زمانہ

بلیک اینڈ وائٹ زمانہ تھا
چارلی چپلن
گونگی فلم کے فیتے پر بھی بولتا تھا
کم اونچی دیواروں والے چھوٹے گھر تھے
اور شہتوت پہ بیٹھی چڑیا گانا گایا کرتی تھی
ایک گراموفون پڑا تھا بیٹھک میں
جس کے چاک پہ گھومتی سوئی
نغموں کی تصویریں ایسے کھینچتی تھی
سننے والے مغلِ اعظم، خواب میں جا کر دیکھتے تھے

اک دوجے سے جڑی ہوئی آبادی تھی
دیواروں کے کان تھے، دروازوں کی آنکھیں تھیں
ایک ذرا سی آہٹ پر
ٹاٹ کے پردے پر لہراتا سایہ گم ہو جاتا تھا
اور گلی کے موڑ پہ آ کر مڑنے والا
برقعے میں لپٹی لڑکی کی دل پر دستک دیتا تھا

دیکھے بھالے رستوں میں بھی
کچھ ان جانے رستے تھے
کتنے ہی گم نام خطوں کے خالی صفحوں پر
ساحرؔ کی خاموش محبت کے چرچے تھے
اور اُدھر مے خانے میں
جالبؔ کے پیمانے میں
نعرۂ مستانہ تھا
اور رندوں کے دامن پر
سرخ شراب کے چھینٹے تھے
گلیوں اور بازاروں میں
خلقت کی آوازیں تھیں
ڈری ڈری سرکاریں تھیں
زنداں کی دیواروں پر
فیض کے دھیمے لہجے میں
ماجرا پرور نظمیں تھیں
ہم جن کے دیوانے تھے
دنیا تیرے صفحوں پر
منٹو کے افسانے تھے
کیا رنگین زمانے تھے

(سنبل)

منصور آفاق

قضا نہیں ہونا تجھے

لوح کا راستہ، دھوپ کے شامیانوں سے ڈھانپا ہوا
اجنبی اجنبی چاپ سنتا رہا...... ساتھ چلتا رہا
اور پھر ایک دن...... دس محرم کی آنکھوں سے نکلا ہوا
اک سنہری کنول
یوں اچھالا افق کی شفق جھیل میں......
شام کے وقت نے
جیسے ابلیس سکہ کوئی
پھینک دے رحمِ تاریخ کے سرخ کشکول میں
آسماں رک گیا...... رک گیا آسماں
سو گیا اجتماعی لحد میں کہیں زندگی کا دمشق
میں نے سوچا کہ ایسے میں بہتا نہیں
اشکِ آبِ فرات
راستہ روک...... پہلے پڑاؤ کے خیمے لگا
اور پھر شام کی بازگشتوں میں بہتی اذاں
مجھ سے کہنے لگی
وقت کو ضائع کرنا گناہِ کبیرہ سے بھی بڑھ کے ہے

قبلہ رو ہو کے ''لبیک'' میں نے کہا
کوئی شہ رگ کے اندر سے کہنے لگا
کہ نمازیں قضا لوٹ سکتی ہیں لیکن قضا ساعتیں
لوٹ سکتی نہیں!

(تسطیر)

نصیر احمد ناصر

کسی دن چلیں گے

کسی دن چلیں گے
کراچی
سمندر میں آنکھیں بہا کر
اسے دیکھنے کی تمنا کریں گے
جو بچپن میں گھر سے چلا تھا
کہ شپ یارڈ دیکھوں گا
بحری جہازوں میں دنیا کے چکر لگاؤں گا
پیسے بناؤں گا
لیکن فلیٹوں، پلازوں کی دنیا میں
بجری اٹھاتے اٹھاتے
کسی ریت کے ڈھیر میں کھو گیا ہے......
کسی دن چلیں گے
سمندر کنارے
اسے پھینکنے کے لیے
شہر کے زیرِ تعمیر سارے مکانوں کا کچرا
مرے دل میں بھرتا چلا جا رہا ہے

(سمبل)

واحد سراج

کسے سنائیں

تمام الفاظ سر بریدہ
تمام جذبے بدن دریدہ
جو سچ تھا وہ سامنے نہیں تھا
جو سامنے تھا، وہ سچ نہیں تھا
سراب نیرنگ واہمے تھے
عجب روایت تھی اُس نگر کی
جو سچ تھا وہ بولتے نہیں تھے
جو بولتے تھے وہ سچ نہیں تھا
اور ایک ہم تھے
کہ صبحِ کاذب کے ملگجے کو
سحر سمجھ کر دیے بجھانے نکل پڑے تھے
بجھے دیے نے جو غم کی کالک سے
جھوٹ کی داستان لکھی
کسے سنائیں؟
ہم ایک ہونی سے ڈر رہے تھے
وہ رُو بہ خورشید ریت تھی

جس کو زر سمجھ کر
ہم اپنے دامن میں بھر رہے تھے
جو اپنی کم مائیگی پہ نادم تھے
اپنی بے مائیگی پہ نادم تھے

(جدید ادب)

یامین

ایک بوڑھی عورت کا جنم دن

ایک ٹھٹھرتی صبح ہے
ڈاک خانے کی گلی میں
زرد پتے اڑ رہے ہیں
کپکپاتی انگلیوں سے لکھا ایڈریس
ہر کوئی پڑھ لیتا ہے

دوپہر کے باغ میں
داؤدی پھولوں اور اس کے درمیاں
نوجوانی کے دنوں کی ایک یاد
دیر تک ہنستی رہی

سہ پہر اور وہ کونے والی شاپ سے
اک غبارہ لے رہی ہے......
لفظ ہونٹوں سے اُڑانیں بھر رہے ہیں

شام کی خاموش رہ پر
وہ کوئی اسرار پہنے چل رہی ہے
رجنی گندھا کی مہک بکھری ہوئی ہے
دور پیڑوں میں چھپی درگاہ تھی

(سمبل)

امیر الملک مینگل
براہوی سے ترجمہ: حسین بخش ساجد

چمن کا قصہ

کیا کروں دوست بتا پھول و چمن کا قصہ
بلبل و قمری یا باغ عدن کا قصہ
زیست کے عیش و طرب تیرے مقدر میں سہی!
اپنی تقدیر میں بس گور و کفن کا قصہ
نہیں پرواہ کہ سب ارمان ہوئے دل میں دفن!
لکھا عشاق کی قسمت میں ہے دار و رسن کا قصہ
ہاتھ اپنے ہی ہیں افسوس گریباں بھی اپنا!
بعد قربانی کے یہ ہے قدم و وطن کا قصہ

(حرف)

بشیر بیدار

بلوچی سے ترجمہ: بشیر بیدار

غزل

سچ کا سقراط دربدر لوگو
اک منافق ہے معتبر لوگو

جو بھی دیکھے گا ڈوب جائے گا
اُن کی آنکھوں میں ہے بھنور لوگو

کون ذہنوں میں یاد رکھتا ہے
کل کے اخبار کی خبر لوگو

زندگی کی کھٹن مسافت میں
کھو گئے کتنے ہم سفر لوگو

بزم میں بھی بشیر تنہا ہے
بے خبر لوگو، کم نظر لوگو

(حرف)

حبیب الرحمان تاثیر

پشتو سے ترجمہ: پروفیسر محمود ایاز

فیصلہ

ایک طرف بے پایاں سمندر

قہر بھری لہریں

غرور سے بھرپور اور ظالم موجیں

دوسری طرف ایک مظلوم بچہ

آنسوؤں سے لبریز آنکھیں

فیصلہ اب ہوگا

کہ ڈر

کس سیلاب کا ہے؟

سید علی سلمان
پشتو سے ترجمہ: سید علی سلمان

سنو ناراض مت ہونا

سنو! ناراض مت ہونا
کبھی ناراض مت ہونا

مجھے بے شک بتا دینا
کہ یہ غلطی تمہاری ہے
مجھے کہنا
تمہیں پاسِ وفا ہے اور نہ غم ہے عہدِ الفت کا
مجھے کڑوی سنا دینا
مجھے بے شک جھڑک دینا
مگر جو ہو سکے جاناں
تو بس اتنا ہی کر دینا
مجھے ہر پل سزا دینا
مگر ناراض مت ہونا
کبھی ناراض مت ہونا

(شعر و سخن)

استاد دامن

پنجابی سے ترجمہ: زاہد حسن

زندگی نامہ سے

تھوک دیں تلخی، منہ کریں میٹھا
باتیں شیریں کریں جہان میں
ان بستیوں امن امان رہے
پیدا کریں مٹھاس انسان ہیں

آنکھوں دیکھ، دماغ سے پرکھ کے
دل لگا کر، ہاتھ سے کرتے ہیں
صحنِ علم میں ادب کے ساتھ جائیں
قدم ساتھ محبت کے دھرتے ہیں
اگر، دل کو علم کی پیاس لگے
مدتوں عالموں کا پانی بھرتے ہیں
اک دن میں کبھی نہیں پھل لگتا
ساتھ نصیبوں کے دامن بھرتے ہیں

(ادبیات)

دلشاد کلانچوی

سرائیکی سے ترجمہ: سلیم شہزاد

پاکستان

جیوے جیوے پاکستان
تن من میرا قربان
رہتے دم تک یہ دلشاد
زندہ باد و زندہ باد

سپاہی

سپاہی ہمارے وطن کا
ہے مالی وطن کے چمن کا
سدا دیکھ بھال اس کی کرتے
وطن کی حفاظت پہ مرتے

باپ

باپ کے ساتھ کوئی نہیں ملتا
سخت ہے گرچہ بُرا نہیں دل کا
باپ کا رتبہ بڑا ہے یارو
اُس کی رضا میں خدا ہے یارو

الجھتا جاتا ہے
میرا من، ایسے کیوں ہے
نئے، اور بھی
نئے کی تلاش میں

(حرف)

عبدالوحید بسمل
ہندکو سے ترجمہ: عبدالوحید بسمل

ماں کے ساتھ

سوچ میں گم ہیں کالی راتیں
تنہا دن بھی سوچ میں گم ہیں
غم کی اوٹ کے سائے میں
خون کے آنسو روتی آنکھیں
ہونٹ گلابی پڑ گئے نیلے
بھید بھری ماتھے کی شکنیں
آدھے سر میں چاندی بکھری
گھر کے کام سے فرصت کب ہے
طعنوں کی اک آگ ہے جس میں
تن من سب کچھ جلتا ہے
اک دن ہوا نے راکھ بکھیری
آئینے سے کہنے لگی وہ
میں دکھیاری، غم کی ماری
کس کو سناؤں اپنا دکھڑا
میرے بھاگ بھی جاگے ہوتے
ماں کے ساتھ ہی مر جاتی میں

(شعر و سخن)

انتخاب/کتابیات پاکستانی ادب کی دستیاب کتب

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مترجم/مرتب	قیمت مجلد	قیمت غیر مجلد	ریمارکس
1	انتخاب اردو غزل (1976-1979)	ادارہ	50 روپے		ختم
2	سرائیکی کتابیات آغاز تا 1993ء	ڈاکٹر طاہر تونسوی	200 روپے	-	
3	انتخاب پاکستانی ادب 1990ء (نثر)	ڈاکٹر رشید امجد	200 روپے	175 روپے	ختم
4	انتخاب پاکستانی ادب 1990ء (شعر)	شہزاد احمد	125 روپے	100 روپے	ختم
5	کتابیات پاکستانی ادب 1990	سعیدہ درانی	-	90 روپے	
6	کتابیات پاکستانی ادب 1991ء	سعیدہ درانی	110 روپے	100 روپے	
7	انتخاب پاکستانی ادب 1991ء (نثر)	رشید امجد/منشا یاد	300 روپے	275 روپے	
8	انتخاب پاکستانی ادب 1991ء (شعر)	ڈاکٹر توصیف تبسم/آفتاب اقبال شمیم	125 روپے	100 روپے	
9	منتخب سندھی افسانے	سعیدہ درانی	115 روپے	100 روپے	
10	انتخاب پاکستانی ادب 1992 (حصہ نثر)	خالدہ حسین/سلیم اختر	300 روپے	275 روپے	
11	انتخاب پاکستانی ادب 1992 (حصہ نظم)	قمر جمیل/محمد اظہار الحق	150 روپے	130 روپے	
12	کتابیات پاکستانی ادب 1992	سعیدہ درانی	200 روپے	185 روپے	
13	انتخاب پاکستانی ادب 1993 (حصہ نثر)	ڈاکٹر سلیم اختر/مسعود اشعر	495 روپے	480 روپے	
14	انتخاب پاکستانی ادب 1993 (حصہ نظم)	سہیل احمد/جاوید شاہین	175 روپے	150 روپے	
15	کتابیات پاکستانی ادب 1993	سعیدہ درانی	190 روپے	175 روپے	
16	مزاحمتی ادب (پشتو/ہندکو)	سلیم راز/تاج امر	300 روپے	280 روپے	
17	پاکستانی کتابیات مزاحمتی ادب (سندھی)	ڈاکٹر فہمیدہ حسین/بدر ابڑو	300 روپے	200 روپے	
18	پاکستانی کتابیات مزاحمتی ادب (بلوچی/براہوئی)	ایوب بلوچ	340 روپے	320 روپے	
19	پاکستانی کتابیات مزاحمتی ادب (پنجابی/سرائیکی)	مشتاق کنول/اقبال قیصر	340 روپے	320 روپے	
20	پاکستانی کتابیات مزاحمتی ادب (کشمیری/شنا)	خاؤس بانہالی	160 روپے	150 روپے	
21	مزاحمتی ادب (اردو)	ڈاکٹر رشید امجد	450 روپے	400 روپے	
22	انتخاب پاکستانی ادب 1994 (نثر)	ڈاکٹر رشید امجد/سلیم اختر	700 روپے	690 روپے	
23	انتخاب پاکستانی ادب 1994 (نظم)	انیس ناگی/جاوید شاہین	175 روپے	150 روپے	

24	کتابیات پاکستانی ادب 1994	سعیدہ درانی	325/روپے	310/روپے	
25	بچوں کا ادب (پاکستانی شاعروں کی منتخب نظمیں)	شیما مجید	-	40/روپے	ختم
26	بچوں کا ادب (پاکستانی ادیبوں کی منتخب کہانیاں)	شیما مجید	-	150/روپے	ختم
27	کتابیات پاکستانی ادب 1995ء	سعیدہ درانی	-	250/روپے	
28	کتابیات پاکستانی ادب 1996ء	سعیدہ درانی	-	250/روپے	
99	کتابیات پاکستانی ادب 1997ء	سعیدہ درانی	285/روپے	265/روپے	
30	کتابیات پاکستانی ادب 1998ء	سعیدہ درانی	-	250/روپے	
31	کتابیات پاکستانی ادب 1999ء	سعیدہ درانی	285/روپے	265/روپے	
32	کتابیات پاکستانی ادب 2000ء	سعیدہ درانی	285/روپے	265/روپے	
33	کتابیات پاکستانی ادب 2001ء	سعیدہ درانی	-	255/روپے	
34	کتابیات پاکستانی ادب 2002ء	سعیدہ درانی	-	125/روپے	
35	انتخاب پاکستانی ادب 2000 (شاعری)	ناصر زیدی	300/روپے	275/روپے	
36	انتخاب پاکستانی ادب 2000 (نثر)	ڈاکٹر محمد سلیم اختر	400/روپے	375/روپے	
37	انتخاب پاکستانی ادب 2001 (شاعری)	ایم اظہار الحق/فرخ یار	275/روپے	270/روپے	
38	انتخاب پاکستانی ادب 2001 (نثر)	ڈاکٹر رشید امجد/احمد جاوید	395/روپے	385/روپے	
99	انتخاب پاکستانی ادب 2002 (شاعری)	جلیل عالی/یوسف حسن	125/روپے	110/روپے	
40	انتخاب پاکستانی ادب 2002 (نثر)	محمد منشا یاد/محمد حمید شاہد	225/روپے	210/روپے	
41	کتابیات پاکستانی ادب 2003	سعیدہ درانی	-	125/روپے	
42	انتخاب پاکستانی ادب 2003 (شاعری)	سحر انصاری/شاہدہ حسن	125/روپے	110/روپے	
43	انتخاب پاکستانی ادب 2003 (نثر)	سید مظہر جمیل/مبین مرزا	150/- روپے	135/روپے	
44	کتابیات پاکستانی ادب 2004	سعیدہ درانی	-	125/روپے	
45	انتخاب پاکستانی ادب 2004 (شاعری)	ڈاکٹر توصیف تبسم/پروفیسر احسان اکبر	270/روپے	260/روپے	
46	انتخاب پاکستانی ادب 2004 (نثر)	ڈاکٹر سلیم اختر	310/- روپے	300/روپے	
47	انتخاب پاکستانی ادب 2005 (شاعری)	جلیل عالی/فرخ یار	285/روپے	275/روپے	
48	انتخاب پاکستانی ادب 2005 (نثر)	ڈاکٹر اعجاز راہی/احمد جاوید	325/روپے	315/روپے	
49	کتابیات پاکستانی ادب 2005	سعیدہ درانی	-	200/روپے	
50	انتخاب پاکستانی ادب 2006 (نثر)	محمد سعید شیخ/امجد طفیل	290/روپے	275/روپے	
51	انتخاب پاکستانی ادب 2006 (شاعری)	عباس تابش/ڈاکٹر ابرار احمد	230/روپے	220/روپے	
52	کتابیات پاکستانی ادب 2006	سعیدہ درانی	-	210/روپے	
53	کتابیات پاکستانی ادب 2007	سعیدہ درانی	-	330/روپے	
54	انتخاب پاکستانی ادب 2007 (نثر)	احمد بخش/ڈاکٹر شاہین مفتی	300/روپے	290/روپے	

55	انتخاب پاکستانی ادب 2007 (شاعری)	قمر رضا شہزاد اور شاکر حسین شاکر	270/روپے	260/روپے	
56	انتخاب پاکستانی ادب: افسانہ اردو (47 تا 08)	ڈاکٹر رشید امجد	670/روپے	650/روپے	ختم
57	انتخاب پاکستانی ادب: شاعری اردو (47 تا 08)	ڈاکٹر رشید امجد	625/روپے	600/روپے	ختم
58	پاکستانی ادب: پنجابی/سرائیکی افسانہ (47 تا 08)	جمیل احمد پال	370/روپے	350/روپے	
59	پاکستانی ادب: پنجابی/سرائیکی شاعری (47 تا 08)	ڈاکٹر امجد علی بھٹی	525/روپے	500/روپے	
60	انتخاب پاکستانی ادب 2008 (نثر)	ڈاکٹر شاہین مفتی	400/روپے	350/روپے	
61	انتخاب پاکستانی ادب 2008 (شاعری)	نورین طلعت عروبہ	300/روپے	280/روپے	
62	بین الاقوامی ادب اردو انتخاب	محمد عاصم بٹ/طارق شاہد/افضال شاہد	800/روپے	750/روپے	
63	پاکستانی ادب انتخاب (شاعری و افسانہ) 1947-2008 (بروشسکی، بلتی، شینا، کھوار)	سید محمد عباس کاظمی/ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی	230/روپے	220/روپے	
64	پاکستانی ادب انتخاب پشتو (شاعری) 1947-2008	سلیم راز	600/روپے	590/روپے	
65	پاکستانی ادب انتخاب پشتو (افسانہ) 1947-2008	تاج محمد امر	380/روپے	370/روپے	
66	پاکستانی ادب انتخاب سندھی (افسانہ) 1947-2008	ڈاکٹر ادل سومرو	620/روپے	610/روپے	
67	پاکستانی ادب انتخاب سندھی (شاعری) 1947-2008	ڈاکٹر ادل سومرو	590/روپے	580/روپے	
68	پاکستانی ادب انتخاب گجراتی (افسانہ و شاعری) 1947-2008		520/روپے	510/روپے	
69	پاکستانی ادب انتخاب بلوچی، براہوئی (افسانہ و شاعری) 1947-2008	واحد بخش بزدار	450/روپے	440/روپے	
70	انتخاب پاکستانی ادب 2009 (نثر)	فریدہ حفیظ/عباس رضوی	-	300/روپے	
71	انتخاب پاکستانی ادب 2009 (شاعری)	افتخار یوسف/ڈاکٹر انور سدید	-	250/روپے	
72	انتخاب پاکستانی ادب 2010 (نثر)	احمد جاوید/محمد حمید شاہد	-	400/روپے	
73	انتخاب پاکستانی ادب 2010 (شاعری)	ادریس بابر/صابر ظفر		250/روپے	

☆☆☆☆